27

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دو ماہی مجلہ نور الحدیث لاہور

ایک تحقیقی واصلاحی میگزین

ہر گھر اور ہر لائبریری کی زینت

جلد 4 | محرم، صفر ۱۴۴۴ھ | ستمبر، اکتوبر 2022ء | شمارہ 5

سرپرست
حافظ عبداللہ رفیق
شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ لوکو ورکشاپ لاہور

مدیر
محمد ارشد کمال
0311-4357855

معاون مدیر
حافظ ابوسفیان میر محمدی
0300-4008489

آئینہ میگزین

نمبر شمار	مضامین		صفحہ
1-	درس قرآن: سورۂ کہف	محمد ارشد کمال	2
2-	درس حدیث: کتاب الزہد	ترجمہ: ابوسفیان عباس میر محمدی	6
3-	الرد علی الجھمیة	اُردو قالب: سعید مجتبیٰ السعیدی	10
4-	اذان میں کی جانے والی غلطیاں	محمد ارشد کمال	16
5-	خواتین کے مخصوص مسائل	حافظ عامر سہیل	36
6-	"یا ساریة الجبل" والی روایت کا حکم	حافظ بلال اشرف اعظمی	46
7-	مباحث اصولِ حدیث	محمد ارشد کمال	51
8-	تقلید کیا ہے؟	مولانا ابراہیم ربانی	60
9-	نماز کی اہمیت (دنیوی فوائد)	محمد ارشد کمال	70

قیمت

فی شمارہ: ______ 50 روپے
سالانہ: ______ 400 روپے
موبی کیش اکاؤنٹ: 0300-4071464

خط وکتابت

جامع مسجد ابوبکر صدیق D-196 ملتان روڈ، سکیم موڑ، لاہور/ ڈاکخانہ سبزہ زار

ناشر المکتبة الکمالیة ○ ملتان روڈ سکیم موڑ لاہور 0322-2999987

درس قرآن:

محمد ارشد کمال

سورۃ الکہف

قسط:3

آپ ﷺ کو کفار کے ایمان نہ لانے کا غم

آیت٦: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ ''پس لگتا ہے کہ آپ اپنی جان ان کے پیچھے غم سے کھو دینے والے ہیں، اگر وہ اس حدیث پر ایمان نہ لائے۔''

اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور نصیحت کی گئی ہے کہ اگر مشرکین مکہ آپ پر اور قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے تو آپ کو اس پر اتنا غمگین نہیں ہونا چاہیے کہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال لیں، آپ کو صبر سے کام لینا چاہیے اور اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہیے کہ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے، اس کے فیصلے میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ (تیسیر الرحمٰن : ١/ ٨٣٣)

((الحدیث)) سے یہاں قرآن مجید مراد ہے۔ (معالم التنزیل : ٣/ ٦، زاد المسیر : ٣/ ٦٤)

اور ((البخع)) کا معنی ہے: ''قتل النفس غما'' غم واندوہ سے اپنے آپ کو مار ڈالنا۔ (المفردات فی غریب القرآن : ١/ ١١٠)

رسول اللہ ﷺ کو کفار کے ایمان نہ لانے کا کتنا دکھ اور کتنا غم وصدمہ تھا؟ اس کا اندازہ اس آیت سے بخوبی ہو رہا ہے۔ سورہ الشعراء میں ہے:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (الشعراء : ٣)

''لگتا ہے کہ آپ (اسی غم میں) اپنی جان کھو دینے والے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔''

غم اور فکر انسان کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیتا ہے اور کمزور بھی کر دیتا ہے حتیٰ کہ نوبت ہلاکت تک جا پہنچتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی بھی دی اور نصیحت بھی فرمائی کہ اگر یہ کفار ایمان نہیں لاتے تو آپ کو اس پر اتنا رنجیدہ اور پریشان نہیں ہونا چاہیے کہ اپنی جان کھو دیں بلکہ آپ صبر سے کام لیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴾ (النحل: ۱۲۷)

''اور آپ صبر کریں آپ کا صبر اللہ ہی (کی توفیق) سے ہے اور ان پر رنجیدہ نہ ہوں اور جو وہ مکر وفریب کرتے ہیں اس سے تنگی میں مبتلا نہ ہوں۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴾ (الفاطر: ۸)

''تو کیا وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل مزین کر دیا گیا تو اس نے اسے اچھا سمجھ لیا۔ پس بے شک اللہ جسے چاہتا ہے اسے بے راہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے لہٰذا آپ کی جان ان پر حسرتوں کی وجہ سے نہ جاتی رہے وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں یقیناً اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔''

دراصل جو انسان دوسروں کا جتنا زیادہ خیر خواہ ہوتا ہے وہ ان کی خیر و بھلائی کے لیے بھی اتنا ہی متفکر ہوتا ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ والدین اپنی اولاد کے کتنے بڑے خیر خواہ ہوتے ہیں؟ اولاد جب ان کی نافرمانی کرتی ہے تو انھیں کتنا دکھ، صدمہ اور غم پہنچتا ہے۔ انسانیت کے سب سے بڑے خیر خواہ جناب رسول اللہ ﷺ تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَقَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (التوبة: ۱۲۸)

''بلاشبہ تمہارے پاس تمھی میں سے ایک رسول تشریف لا چکا ہے، اس پر بہت گراں ہے کہ تم مشقت میں پڑو، تم پر شدید خواہش مند ہے، مومنوں پر نہایت شفیق ہے بڑا مہربان ہے۔''

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

((إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا، فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ، جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهَذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا، فَجَعَلَ يَنْزِعُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ، فَيَقْتَحِمْنَ فِيهَا، فَأَنَا آخُذُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ، وَأَنْتُمْ تَقْتَحِمُونَ فِيهَا.))

''درحقیقت میری مثال اور لوگوں کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے آگ روشن کی، پھر جب اس (آگ) نے اس کا اردگرد روشن کر دیا تو پروانے اور یہ کیڑے مکوڑے جو آگ پر گرتے ہیں، آ کر اس میں گرنے لگے، وہ شخص انھیں آگ سے روکتا ہے لیکن وہ اس کے قابو میں نہیں آتے بلکہ آگ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح میں تمہاری کمروں سے پکڑ کر تمہیں آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں اور تم ہو کہ اس میں گرتے جا رہے ہو۔'' (صحيح البخاري، ح: ٦٤٨٣)

الشیخ عبدالرحمٰن السعدی رقمطراز ہیں: اس آیت کریمہ اور اس قسم کی دیگر آیات کریمہ میں عبرت ہے۔ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے پر مامور شخص پر تبلیغ دعوت، ان تمام اسباب کے حصول میں کوشاں رہنا جو ہدایت کی منزل پر پہنچاتے ہیں، امکان بھر گمراہی کے راستوں کو مسدود کرنا اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا فرض ہے۔ پس اگر وہ راہ راست پر گامزن ہو جائیں تو بہتر ہے ورنہ اس کو ان کے افسوس میں گھلنا نہیں چاہیے کیونکہ یہ چیز نفس کو کمزور اور قویٰ کو منہدم کر دیتی ہے۔ اس میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ ایسا کرنے سے وہ مقصد فوت ہو جائے گا جس پر اسے مامور کیا گیا ہے۔ تبلیغ دعوت اور کوشش کے سوا ہر چیز اس کے اختیار سے باہر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴾ (القصص : ٥٦)

''آپ اسے ہدایت نہیں دے سکتے جسے آپ چاہتے ہیں لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے بخوبی واقف ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراف کیا:

﴿ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ ﴾ (المائدۃ : ٢٥)

''اے میرے رب! میں اپنے آپ پر اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔''

تو انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ دیگر لوگ بدرجہ اولیٰ کسی کو ہدایت دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۟ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ ۟ ﴾ (الغاشیۃ : ٢١-، ٢٢)

''آپ نصیحت کیجیے، آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان پر کوئی داروغہ مقرر نہیں۔'' (تفسیر السعدی : ٢/ ١٤٩٨)

احکام ومسائل:

- نبی کریم ﷺ ۔فداہ ابی وامی وروحی۔ انسانیت کے سب سے بڑے خیر خواہ اور درد رکھنے والے تھے۔
- حق کی تبلیغ اور لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ضروری ہے تاہم نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے۔
- کسی کے راہ راست پر نہ آنے کا غم اور صدمہ اس قدر نہ ہو کہ انسان اپنی جان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔
- لوگوں کی رشد و ہدایت اور خیر و بھلائی کی تڑپ رکھنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔
- قرآن مجید بھی ''حدیث'' ہے۔

درس حدیث:

كتاب الزهد

إمام أبوداود السجستاني

تحقیق وتخریج: محمد ارشد کمال — ترجمہ وفوائد: ابوسفیان عباس میر محمدی

[126]...... حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ: نا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ ، وَهَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، الْمَعْنَى عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَلْقَمَةَ ، قَالَ: مَرِضَ عَبْدُ اللّٰهِ مَرَضًا فَجَزِعَ . فَقُلْنَا: مَا رَأَيْنَاكَ جَزِعْتَ فِي مَرَضٍ مَا جَزِعْتَهُ فِي مَرَضِكَ هَذَا؟ قَالَ: إِنَّهُ أَخَذَنِي وَأَقْرَبَ بِي مِنَ الْغَفْلَةِ .

علقمہ (بن قیس النخعی ثقہ تابعی) رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ سیّدنا عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ ایک بیماری میں مبتلا ہوگئے، (جس میں) انھوں نے جزع کرنا شروع کیا تو ہم نے کہا: ہم نے آپ کو کسی بھی بیماری میں اس طرح جزع کرتے نہیں دیکھا جس طرح آپ نے اس بیماری میں جزع کی ہے؟ انھوں نے فرمایا: اس بیماری نے غفلت کی حالت میں مجھے آلیا اور میرے قریب آئی ہے (یعنی نیکی کے کاموں مستعد اور چوکس ہونے کی حالت میں بیماری آتی تو بیماری کے دوران ثواب مستعد حالت والا ملتا لیکن ہوا یہ ہے کہ میں بیماری آنے کے وقت کچھ غفلت کا شکار تھا اور یہ ہر انسان پر کیفیت طاری ہوتی ہے اگرچہ اس کا احساس بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے اور اس کا مجھے افسوس ہے)۔

[**تحقیق و تخریج**: ......اس کی سند ضعیف ہے۔اسے امام ابن ابی شیبہ نے "المصنف" (ح: ۳۵۶۷۱) اور بیہقی نے "شعب الإيمان" (ح: ۹۴۶۷) میں روایت کیا ہے۔اعمش اور ابراہیم مدلس ہیں اور عنعنہ ہے۔]

[127]...... حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ: نا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ ، وَأَحْمَدُ بْنُ مَنْجُوفٍ ـ الْمَعْنَى ـ قَالَا: نا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ ، قَالَ: نا

عَبْدُالْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ أَبِي الضُّحَى ، عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ۔ وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَلْقَمَةَ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَهُ فَأُتِيَ بِشَرَابٍ ، فَقَالَ: اسْقِ فُلَانًا ، قَالَ: إِنِّي صَائِمٌ ، حَتَّى عَرَضَهُ عَلَى الْقَوْمِ كُلِّهِمْ ، فَكُلُّهُمْ يَقُولُ: إِنِّي صَائِمٌ . قَالَ: هَاتِ وَلَكِنِّي لَسْتُ بِصَائِمٍ . قَالَ: ثُمَّ نَظَرَ فِي وُجُوهِهِمْ فَقَالَ: ﴿يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾ [النور: 37]

مسروق اور علقمہ (بن قیس نخعی) رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ ہم عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ ان کے پاس کوئی مشروب لایا گیا۔ انھوں نے فرمایا: یہ مشروب فلاں کو پلا دو۔ اس (فلاں) نے کہا: میں روزے سے ہوں، یہاں تک کہ اسے تمام لوگوں پر پیش کیا گیا، ہر شخص یہی کہتا کہ میں روزے سے ہوں۔ آپ نے فرمایا: لاؤ، لیکن میں روزے سے نہیں ہوں۔
راوی نے کہا: پھر آپ نے ان (لوگوں) کے چہروں کو (غور سے) دیکھا اور فرمایا: ﴿يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾ [النور: 37] ''وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔''

[**تحقیق و تخریج**: ......اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام ابن ابی حاتم نے ''تفسیر القرآن العظیم'' (ح:٦٦٠ النور)، حاکم نے ''المستدرك'' (٣٩٩/٢)، طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' (ح:٨٨٧٩)، ابن ابی شیبہ نے ''المصنف'' (ح:٣٥٧١)، عبدالرزاق نے ''المصنف'' (ح: ٧٩٠٤)، نسائی نے ''السنن الکبریٰ'' (ح:١١٨٤٤) اور ابن المبارک نے ''الزھد'' (ح:١٤٢٨) میں روایت کیا ہے۔ اعمش مدلس کا عنعنہ ہے۔]

[128]...... حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ: نا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى ، قَالَ: نا أَبُو مُعَاوِيَةَ ، (ح) أَبُوْدَاوُدَ نا هَنَّادٌ۔ وَهَذَا لَفْظُهُ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ۔ قَالَ هَنَّادٌ: وَعَبِيدَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ خَيْثَمَةَ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ، قَالَ: مَا مِنْ نَفْسٍ بَرَّةٍ وَلَا فَاجِرَةٍ إِلَّا الْمَوْتُ خَيْرٌ لَهَا۔ لَئِنْ كَانَتْ بَرَّةً فَقَدْ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ

خَيْرٌ لِلْأَبْرَارِ﴾ [آل عمران: 198] وَلَئِنْ كَانَتْ فَاجِرَةً فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا﴾ [آل عمران: 178] .

سیّدنا عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کسی بھی نیک اور برے نفس کے لیے (زندگی سے) موت بہتر ہے۔ اگر نفس نیک ہو تو اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾ (آل عمران: ۱۹۸) ''اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے بہتر ہے۔'' اور اگر نفس برا ہو تو اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا﴾ [آل عمران: ۱۷۸] ''اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، ہرگز گمان نہ کریں کہ بے شک جو مہلت ہم انھیں دے رہے ہیں وہ ان کی جانوں کے لیے بہتر ہے، ہم تو انھیں صرف اس لیے مہلت دے رہے ہیں کہ وہ گناہ میں بڑھ جائیں۔''

[**تحقیق و تخریج:** ......اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام ابن ابی شیبہ نے ''المصنف'' (ح: ۳۵۷۱۴)، ابن ابی حاتم نے ''تفسیر القرآن العظیم'' (ح: ۲۰۴۹، آل عمران) اور طبری نے ''جامع البیان'' (ح: ۸۲۶۶) میں روایت کیا ہے۔ اعمش مدلس کا عنعنہ ہے۔]

[129]...... حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ: نا عَبَّاسٌ الْعَنْبَرِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْمَعْنَى قَالَا: نا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ: نا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ خَيْثَمَةَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: مَا أَحْسَنَ عَبْدٌ الظَّنَّ بِاللّٰهِ قَطُّ إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ عَلَى ذَلِكَ، وَذَلِكَ أَنَّ الْخَيْرَ كُلَّهُ بِيَدِهِ .

سیّدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بندہ اللہ کے بارے میں جب بھی حسن ظن رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہی (خیر و بھلائی) عطا کر دیتا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ تمام خیر و بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** ......اس کی سند ضعیف ہے۔ اعمش مدلس کا عنعنہ ہے۔]

[130]...... حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ: نا الْعَبَّاسُ الْعَنْبَرِيُّ، وَابْنُ الْمُثَنَّى، قَالَا: نَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ: نا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ خَيْثَمَةَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُنْصِفَ اللَّهَ مِنْ نَفْسِهِ فَلْيَأْتِ إِلَى النَّاسِ مَا يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ.

سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص یہ بات پسند کرے کہ وہ اپنے نفس سے اللہ تعالیٰ کو مکمل حق دلائے (یعنی عبادت وغیرہ کے ذریعے) تو اسے چاہیے کہ وہ لوگوں کے ساتھ وہ سلوک کرے جو وہ خود پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کریں۔

[**تحقیق و تخریج:** ......اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام ابن ابی شیبہ نے "المصنف" (ح: ۳۵۷۰۵) میں روایت کیا ہے۔ سلیمان الاعمش مدلس کا عنعنہ ہے۔]

☆......☆......☆

"اگر تیرا دعویٰ ایمان سچا ہے"

(عبداللہ اختر)

ثقہ تابعی جناب وبرہ کہتے ہیں: میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا، اس نے پوچھا: کیا عرفات پہنچنے سے پہلے میں بیت اللہ کا طواف کرسکتا ہوں؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں (کر سکتے ہو)۔ اس نے کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تو کہا ہے کہ عرفہ پہنچنے سے قبل بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: (سنو) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو آپ نے میدان عرفات پہنچنے سے قبل بیت اللہ کا طواف کیا تھا تو کیا تیرے لیے۔ اگر تیرا دعوی ایمان سچا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو اختیار کرنا صحیح ہے یا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول؟" (صحیح مسلم، ح: ۱۲۳۳)

امام عثمان بن سعید الدارمی کی شہرہ آفاق کتاب قسط: 24

"الرد علی الجهمية"

یعنی

جہمیہ کے گمراہ کن عقائد کا رد

تحقیق وتخریج: محمد ارشد کمال — ترجمہ: پروفیسر ابوحمزہ سعید مجتبیٰ السعیدی

باب۱۴: قرآن مجید کو مخلوق یا غیر مخلوق کہنے میں توقف کرنے والوں کی تردید

(۳۵۴) ابو سعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ بعض لوگ جو بزعم خویش اصحاب علم ہیں اور اس بات کے وہ دعوے دار بھی ہیں، وہ کہا کرتے تھے کہ ہم قرآن کو نہ مخلوق کہتے ہیں اور نہ غیر مخلوق۔ مگر حیرت ہے کہ اپنے اس توقف کے باوصف وہ اپنے مخالفین کو بدعتی قرار دیتے ہیں خواہ کوئی قرآن کو مخلوق کہنے والا ہو یا غیر مخلوق کہتا ہو۔

(۳۵۵) ہم ان حضرات سے کہیں گے کہ آپ کا اپنے مخالفین کو مبتدع -بدعتی- کہنا اپنے دعویٰ میں ظلم ہے۔ تم اپنی بات پر غور کر کے اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔

تمہارے مخالفین میں سے ایک فریق کا موقف سنت اور حق کے عین مطابق ہے۔ تمہاری نظر میں وہ مبتدع -بدعتی- لوگ ہیں۔ حالانکہ بدعت کا معاملہ از حد سنگین ہے اور جس آدمی کی طرف بدعت کی نسبت کر کے اسے بدعتی کہا جائے، اہل اسلام کی نظر میں وہ انتہائی معیوب اور برا ہوتا ہے۔

تم لوگ جب تک اس بات کا یقینی اور حتمی علم حاصل نہ کر لو کہ تمہارے مخالف فریقوں میں سے کس نے حق بات کہی ہے یا باطل -اس وقت تک اس کے موقف پر بدعت کا اطلاق کرنے میں جلدی نہ کرو۔ تم لوگ کیونکر کسی فریق کو ان کے کسی قول کی بنا پر بدعتی کہنے کی

جسارت کر سکتے ہو جبکہ تمہیں یہ علم نہیں کہ وہ اپنے موقف میں حق پر ہیں یا ان سے غلطی سرزد ہوئی ہے؟

تمہارے اپنے عقیدے کے مطابق تم کسی کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم حق پر نہیں ہو یا اصل بات وہ نہیں جو تم -تمہارا مخالف- کہتے ہو۔

جو آدمی دوسرے کے متعلق یہ تک نہیں جانتا کہ وہ اپنے دعوے میں حق پر ہے یا نہیں اور وہ خواہ مخواہ دوسرے کو بدعتی کہے اس سے بڑھ کر احمق اور جاہل کون ہوگا؟ اور وہ اس بات کا خیال نہیں کرتا کہ عین ممکن ہے اس کے دو مخالف فریقوں میں سے کوئی ایک برحق اور سنت کے موافق ہو۔

مگر اس نے بلاتحقیق اسے مبتدع - بدعتی - کہہ دیا۔ اور وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اپنے اس دعوے سے حق کو باطل اور سنت کو بدعت کہہ رہا ہو۔ یہ انداز صریح گمراہی اور بہت بڑی جہالت ہے۔

(۳۵۶) اور آپ لوگوں کا کہنا کہ ہم نہیں جانتے کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ اگر آپ کے اس قول کی بنیاد قلتِ علم وفہم ہے تو ہمارے اور آپ کے مابین کتاب وسنت پر غور کرنا فیصلہ کر دے گا اور اسے عقل قبول کرے گی۔

تمام اشیاء کی دو ہی صورتیں ہیں: (۱) خالق جس کی بہت سی صفات ہیں۔ (۲) مخلوق ان کی بھی بہت سی صفات ہیں۔ پس خالق اپنی تمام صفات سمیت خالق ہے، ان میں سے کچھ بھی مخلوق (پیدا کردہ) نہیں اور مخلوقات اور ان کی تمام صفات مخلوق (پیدا کردہ) ہیں۔

اب رہی بات قرآن کی۔ اگر آپ کے نزدیک یہ مخلوقات کی صفت ہے تو اس بات میں شک کی قطعاً گنجائش نہیں کہ تمام مخلوقات، اپنی کلام اور صفات سمیت مخلوق (پیدا کردہ) ہیں۔ پس آپ کے دعوے کی روشنی میں آپ پر لازم ہے کہ آپ بھی قرآن کے بارے میں وہی بات کہیں جو جہمیہ کہتے ہیں، تاکہ آپ اس بارے میں مزید قیل وقال سے بچ جائیں۔ اور اپنے دل میں پوشیدہ بات کا کھلم کھلا اظہار کریں۔

اور اگر آپ کی نظر میں قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا کلام ہے جو اسی کی طرف سے صادر ہوا ہے تو کسی بھی ایسے نمازی کو جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، روا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں اور اس کا جو کلام اس کی طرف سے صادر ہوا ہے اس کے بارے میں شک کرے کہ وہ غیر مخلوق ہے۔

یہ ایسی واضح بات ہے جس میں تم جیسے جاہل اور غبی کے سوا کسی دوسرے کو ذرہ بھر بھی شک نہیں۔ تمہاری بات اور قرآن کو مخلوق کہنے والوں کی بات میں بس معمولی فرق ہے۔

وہ لوگ اسے اللہ کا کلام بھی تسلیم کرتے ہیں اور مخلوق بھی کہتے ہیں اور تم لوگ قرآن کو اللہ کا کلام تسلیم کرتے ہو اور یہ نہیں جانتے کہ وہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

اگر تم کہو کہ تم اس کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کو نہیں جانتے تو تمہارے موقف کے مطابق قرآن کو مخلوق کہنے والوں کی بات درست ہو سکتی ہے۔ تو تم انہیں بدعت کی طرف نسبت کر کے بدعتی کیونکر کہہ سکتے ہو۔ جبکہ تمہارے بقول تمہیں ان کے بارے میں شک ہے کیونکہ انسان کو جب تک کسی کے قول و فعل کے باطل اور بے اصل ہونے کا یقین نہ ہو اسے بدعت کی طرف منسوب کرتے ہوئے بدعتی کہنا درست نہیں۔

اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ تمہاری بات اور قرآن کو مخلوق کہنے والوں کی بات میں بہت معمولی فرق ہے کیونکہ ان لوگوں نے کھلم کھلا قرآن کے مخلوق (پیدا کردہ) ہونے کا دعویٰ کیا اور تم نے کہا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اسے غیر مخلوق کہنے والے بدعتی اور تمہارے بقول گمراہ ہیں۔ پس اگر تمھارے نزدیک قرآن کو غیر مخلوق کہنے والے بدعتی ہیں تو یقیناً تمھارے نزدیک قرآن مخلوق (پیدا کردہ) ہے۔ مگر تم لوگ لوگ طعن و تشنیع کے خوف سے اور اس الزام سے بچنے کی خاطر پوشیدہ انداز اختیار کرتے ہو۔ اور جہمی ہونے کے الزام سے بچنے کی کوشش کرتے ہو جبکہ درحقیقت تم لوگ جہمی لوگوں کی آراء کو درست سمجھتے اور ان کے موقف کو اچھا سمجھتے ہو۔ اور ان (جہمی لوگوں) کے مخالفین کو بدعتی کہتے ہو۔

(۳۵۷) ہم نے اللہ کے کلام کی تحقیق کے حوالے سے قرآن مجید اور احادیث سے اس

گروہ کے دعویٰ کی تردید میں جس قدر دلائل پیش کیے ہیں ان سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ اور یہ مخلوق نہیں۔ یہ تمام دلائل جس طرح جہمیہ کی تردید کرتے ہیں اسی طرح بعینہٖ قرآن کے بارے توقف کرنے والوں کی بھی تردید کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ (التوبة : ٦)

''اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ طلب کرے تا کہ وہ اللہ کا کلام سن سکے تو تم اسے اس وقت تک پناہ دے دو۔''

اور ﴿ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ (الفتح : ١٥) یہ لوگ اللہ کے کلام کو بدل دینا چاہتے ہیں۔''

تو جس کا اللہ تعالیٰ پر اور ان پیش کردہ قرآنی آیات پر ایمان ہے، اور اسے یہ یقین ہے کہ قرآن کریم، اصدق القائلین اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اس کا سچا کلام ہے تو ایسے آدمی کے لیے یہ ایمان رکھنا بھی لازم ہے کہ یہ قرآن مخلوق نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی پیدا کی ہوئی کلام کو اپنی صفت اور کلام قرار نہیں دیا۔ اور اس نے کسی دوسرے کی کلام کو اپنا کلام نہیں کہا۔ کیونکہ وہ تو سب سے سچا ہے۔ اور کلام اللہ (اللہ کے کلام) کے لفظ کو بیت اللہ، عبداللہ، خلق اللہ اور روح اللہ جیسے الفاظ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ مخلوق، اللہ میں سے نہیں، نہ ہی یہ اس کی صفات ہیں۔ جبکہ اللہ کا کلام تو اس کی صفت ہے اور اسی سے صادر ہوا ہے۔ کلام میں سے اسی کلام کو اللہ کی طرف نسبت کیا جائے گا جسے اس نے بولا۔ اگر مخلوق کی کلام کو اللہ کی طرف منسوب کرنا درست ہو تو وہ اللہ کی صفت اور اسی کا کلام ٹھہرے گا اگر بیت اللہ، عبداللہ وغیرہ الفاظ کی طرح مخلوق کے کلام کو بھی کلام اللہ ہی کہنا درست سمجھا جائے تو دن رات میں جو صحیح، غلط، شعر، گانے یا نوحے وغیرہ بولے جاتے ہیں یہ سب کلام اللہ ہوں گے تو پھر قرآن مجید کو باقی کلاموں پر فضیلت کی کیا وجہ ہو گی؟ یہ تو صریح گمراہی والی بات ہے۔ اس

حوالے سے ہم بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اللہ کی کتاب اور احادیث سے اس قدر دلائل پیش کر چکے ہیں جن پر اکتفاء کیا جا سکتا ہے۔

اور اللہ ہی ہے جسے وہ چاہے صراط مستقیم کی راہ نمائی کر دے۔

(۳۵۸) ابو سعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) فرماتے ہیں: ہم نے مذکورہ بالا اور ان جیسے بے شمار دلائل سے قرآن کے بارے میں توقف کرنے والوں کے موقف کے خلاف اپنا موقف پیش کیا ہے۔ اس بارے میں ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں وارد حدیث کو بیان کرنے والے جن راویوں اور مشائخ کو ہم جانتے ہیں دراصل انہیں جہمیہ کے اصل موقف کا پورا علم ہی نہیں ہے۔ ان حضرات سے جب قرآن کے بارے میں استفسار کیا گیا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم ان کے بارے میں دونوں میں سے کوئی ایک بات نہیں کہہ سکتے، وہ چونکہ ان جہمیہ کے موقف سے ہی ناواقف تھے، اس لیے انہوں نے کچھ کہنے سے توقف اور احتراز کیا، کیونکہ یہ ایک انتہائی پیچیدہ بات تھی، جو انہوں نے سنی۔ وہ اس کی صحیح تاویل و توجیہ نہ کر سکے۔ انہیں اس سے قبل اس قسم کے سوال سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ اس لیے انہوں نے جواب نہ دیا اور خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن اس کے برعکس جب یہ سوال ان لوگوں کے سامنے آیا۔ جنہیں جہمیہ کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے اور ان سے مناظرے کرنے کا موقعہ ملا۔ انہوں نے ان کی انتہائی غلط باتیں اور موقف سنا، وہ ان کے عقائد سے بخوبی آگاہ تھے۔ ان لوگوں میں جعفر بن محمد بن علی بن الحسین، عبداللہ بن مبارک، عیسیٰ بن یونس، القاسم جزری، بقیہ بن الولید، المعافی بن عمران وغیرہ عالی قدر حضرات کے نام آتے ہیں، جو جہمیہ کے بدترین عقائد اور ان کے موقف کے انجام سے مکمل طور پر باخبر تھے۔ انہیں اس بارے میں قطعاً شک نہیں تھا کہ ان لوگوں کی باتیں کفریہ ہیں۔ اور ان کا پختہ عقیدہ تھا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے اور یہ مخلوق (پیدا کردہ) نہیں ہے۔

کیونکہ جب ولید بن مغیرہ مخزومی کافر نے قرآن کے متعلق کہا تھا کہ ”انـــــہ قـــول

البشـــــر" ''بے شک یہ انسان کا کلام ہے۔'' تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بات کی تردید کرتے ہوئے اسے جہنم رسید کر دیا۔

اس سے اہل علم نے واضح طور پر استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید مخلوق نہیں، جو آدمی کسی چیز کو اچھی طرح جانتا ہو اس کی بات حجت ہوتی ہے اور جو آدمی اس سے غافل (لاعلم) اور کم تر بصیرت والا ہو اس کی بات کا کچھ بھی اعتبار نہیں ہوتا۔ اہل علم نے اس حوالے سے اہل بصیرت کے موقف کو اختیار کیا اور جنھوں نے محض اٹکل پچو اور اندازوں سے کام لیا، ان کے قول اور موقف کی طرف التفات نہیں کیا، تو ہم نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں نے بصیرت کی کمی کے پیش نظر یہ موقف اختیار کیا ہے تو ان لوگوں نے جرأت کا مظاہرہ کیا۔ ان کے بالمقابل دوسرے لوگوں نے علم اور بصیرت کے پیش نظر اپنا موقف اختیار کیا۔ وہ لوگوں میں سر برآوردہ ٹھہرے اور وہ دین کے اُصول وفروع سے بخوبی واقف تھے۔ اس لیے انہوں نے قرآن کو مخلوق کہنے والوں کو کافر قرار دیا۔ اِن کو اُن کے کافر ہونے میں ذرہ بھر بھی شک وشبہ نہیں تھا۔

☆......☆......☆

اعتذار

نور الحدیث، شمارہ نمبر 26 میں "الـرد علی الجھمیة" کی روایت (346) کو علی بن مضاء کی جہالت کی بنا پر ضعیف قرار دیا گیا تھا، لیکن تاریخ دمشق (410،409/32) میں امام ابن المبارک رحمہ اللہ کا یہی قول صحیح سند کے ساتھ مل گیا ہے۔ الحمد للّٰہ علی ذلك.

اس طرف توجہ دلانے پر ہم اپنے بھائی مولانا تنویر الحق شاہ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جزاہ اللّٰہ عنا خیر الجزاء.

اذان میں کی جانے والی غلطیاں

الشیخ عبدالسلام بن محمد الشویعر ترجمہ وتلخیص: حافظ ابوسفیان بن عباس میر محمدی

اذان کی درستی اور الفاظ کی اصلاح اہم تر بلکہ مؤکد ترین امور میں سے ہے، بالخصوص ان شرعی الفاظ میں جو بطورِ عبادت بولے جاتے ہیں، جیسے قراءات قرآن، نماز کی دعائیں، اس کے قولی ارکان و واجبات، اذان اور اس جیسے دیگر شعائرِ اسلام۔

لہجے کی غلطی میں احتیاط برتنا

سلف صالحین لہجے کی غلطی میں بہت احتیاط برتتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو لہجے کی غلطی پر مارا کرتے تھے۔ [الأدب المفرد: 880، المصنف لابن أبي شيبة: 26163، شعب الإيمان: 1558 صحيح]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''اور سلف صالحین اپنی اولاد کو لہجے کی غلطی پر ادب سکھاتے تھے، کیوں کہ ہمیں امر ایجاب اور امر استحباب کے طور پر حکم ہے کہ ہم عربی قانون اپنے لیے زبانی یاد کریں اور ہم عربی قانون سے اعراض والی زبانوں کی اصلاح کریں تاکہ ہم کتاب وسنت کے فہم کا طریقہ اور عرب کے اپنے خطاب کے سلیقے کی اقتداء کو محفوظ کر لیں، چنانچہ اگر لوگوں کو ان کے غلط لہجوں پر (کھلا) چھوڑ دیا جائے تو وہ نقص اور عیب بن جائیں گے۔'' [مجموع الفتاویٰ: 32/ 252]

معلوم ہوا کہ سلف صالحین لہجے کی اغلاط پر کڑی نظر رکھتے تھے۔

چنانچہ زیرِ نظر مضمون میں ہم اَذان کہنے والوں کی چند اہم اور فاش اغلاط کی نشان دہی کریں گے تاکہ اس سے بچا جا سکے اور اذان کا جو اصل مقصد مطلوب ہے وہ پورا ہو سکے اور

اس کا پورا پورا اجروثواب حاصل کیا جا سکے۔

اَذان میں غلطی پر مرتب ہونے والے احکام

علماءِ سلف نے اَذان میں لحن جلی پر تنبیہ کی اور ڈرایا ہے، اور اس پر کئی احکام مرتب کیے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

1: اذان میں لحن جلی کرنے والے کی اذان باطل ہے۔ اگر شہر میں کوئی دوسرا موذن نہ ہو تو اس کا اعادہ لازمی ہے۔

2: جو موذن لحن جلی کا مرتکب ہو، اسے ہٹا کر دوسرا موذن مقرر کرنا ضروری ہے۔

3: لحن جلی کا تلفظ بہت سنگین معاملہ ہے، لہٰذا اَذان کو باطل کر دینے والی اَغلاط سے احتراز کرنا واجب ہے بلکہ عمداً ایسی غلطی کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

[المنهج القويم لابن الحجر الهيتمی، ص : 34]

4: ایسے مؤذن کو تبدیل کرنا ممکن ہو تو تبدیل کرنا ضروری ہے، ورنہ غلطی کرنے اور سننے والا دونوں گناہ گار ہیں۔

5: علمائے احناف کے یہاں موذن کی اذان کا جواب دینا واجب ہے۔ لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ اگر اذان کہنے والا لحان (بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا) ہو اگرچہ وہ چھوٹی غلطیاں ہوں تو اس کا جواب نہیں دیا جائے گا۔

بلکہ بعض نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ غلطی کرنے والے موذن کی اذان سننا جائز نہیں ہے۔ [حاشية ابن عابدين:1/ 417؛ حاشية الدر على الغرر : 1/ 49]

ان پانچ باتوں سے واضح ہوا کہ موذن کو ایسی اغلاط سے دور رہنا چاہیے جو اذان کو باطل کر دیتی ہیں اور موذن ایسا ہونا چاہیے جو اذان کے احکامات سے واقف ہو۔ جیسا کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے: ''علماءِ سلف پسند کرتے تھے کہ ان کے موذن ان کے فقہاء لوگ ہوں، کیوں کہ انہوں نے اپنے دین کا ایک معاملہ ان کے سپرد کیا ہے۔ [کتاب الصلاة

لفضل بن دكين :195 وسنده ضعيف ابوحمزۃ، اگر یہ میمون الاعور ہے تو ضعیف ورنہ مجہول ہے]

فقہاء کے ہاں اذان میں لحن (لہجے کی غلطی) کا کیا معنی ومفہوم ہے؟

اصول یہ ہے کہ اذان عربی زبان میں ہو، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے اذان کے یہ کلمات سیدنا بلال اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھائے ،اور یہ توقیفی عبادت ہے ۔ اس لیے عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں اذان کہنا صحیح نہیں ہے ۔ فقہاءِ مذاہب اربعہ نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے کہ اذان صرف عربی زبان میں درست ہے۔ [المحيط البرهاني :1/ 352؛ البحر الرائق : 1/ 324؛ الشرح الكبير 2/ 215]

لہٰذا جب یہ بات معلوم ہوئی کہ اذان عربی میں ہے تو پھر عرب کی زبان اور ان کی اَدائیگی کا جو طریقہ ہے، اسی طریقے کے مطابق اذان ہو گی، جو اس کے خلاف ہو گی اسے لحن یعنی لہجے کی غلطی کہیں گے۔

چنانچہ ہر وہ شخص جو اذان میں عربی زبان اور نطق باللفظ میں ان کی مخالفت کرے تو وہ لحن کا اِرتکاب کر رہا ہے، خواہ وہ حروف اور مخرج میں مخالفت کرے یا حرکات صرفی اور اعرابی میں یا صفت ادائیگی میں۔

تاہم لفظ 'اللحن' (صرف لہجے کی غلطی) مختلف اہل فن کے ہاں اس کے مختلف معانی ہیں، لیکن علماء تجوید کے ہاں ہر حرف کو تجوید کے اصول وضوابط کے مطابق اس کا حق نہ دینا لحن کہلاتا ہے۔

اَذان میں لحن کے ممنوع ہونے کی دلیل

اَذان کے معاملے میں اصول یہ ہے کہ زبان کی درستی ہو، اور عرب کے لہجے کی مخالفت نہ ہو، جیسا کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے: ''اذان میں جزم ہے۔''

[المصنف لابن أبي شيبة: 2392 وسنده ضعيف ، اعمش مدلس کا عنعنہ ہے]

یعنی اَذان کے کلمات کے آخری حرف کو لمبا اور کھینچ کر ادا نہیں کرنا چاہیے، اس اثر میں

دو باتیں قابلِ غور ہیں:

(1) اَذان میں جزم کا کیا حکم ہے؟

اہلِ علم کا اذان میں جزم کے حوالے سے اختلاف ہے کہ کیا یہ واجب ہے یا مستحب؟ اس میں دو اقوال ہیں:

1: اذان میں جزم واجب ہے ۔ یہ بعض مالکی علماء کا موقف ہے۔ لبنانی نے ابوالحسن، عیاض، ابن یونس، ابن رشد اور خاکھانی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: ''اذان میں جزم واجبی صفات میں سے ہے نا کہ جائز صفات سے۔''

[حاشيه البناني :1/ 281؛ الجامع لابن يونس :2/ 445]

2: اذان میں جزم مستحب ہے ۔ یہ علمائے احناف ، شوافع ، حنابلہ اور جمہور مالکیہ کا قول ہے۔خرشی کی 'شرح خلیل' میں ہے کہ اذان میں جزم واجبی صفات میں سے نہیں ہے ۔ [شرح مجمع البحرين لابن ساعاتي: 2/ 18؛ الجواب الجزم للسيوطي: 1/ 342؛ فتح مولى المواهب لابن عوض 2/ 32؛ حاشيه الخرشي على خليل :1/ 230]

(2) اذان اور تکبیر (اقامت) میں جزم کا معنی و مفہوم کیا ہے؟

اذان اور تکبیر (اقامت) کے اندر جزم کے معنی میں علماء کے کئی اقوال ہیں:

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''تکبیر میں جزم ہے'' اور فرماتے ہیں: ''الفاظ کو لمبا اور کھینچا نہ جائے۔'' [المصنف لعبد الرزاق :2553 وسنده ضعيف ، یحییٰ بن علاء سخت ضعیف ہے۔]

اور یہی تفسیر کبار علماءِ اہل حدیث سے بھی منقول ہے۔

جامع ترمذی میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''حذف سلام سنت ہے۔'' [سنن الترمذي : 297 وسنده ضعيف ، زہری مدلس کا عنعنہ ہے] اس کے متعلق عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''حذف سلام کا مطلب یہ ہے کہ وہ سلام کو زیادہ نہ کھینچے۔''

[ایضاً، وسنده صحیح]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: ''حذف السلام کو لازم پکڑو۔ یعنی کوئی آدمی لوگوں کے پاس آئے اور کہے: السلام علیکم۔ اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی آواز کو لمبا کر کے بہت کھینچا۔ بلکہ وہ السلام علیکم کہے۔ اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی آواز کو بغیر کھینچے کہا کہ ایسا کہنا چاہیے یعنی کھینچ کر لمبا نہیں کرنا چاہیے۔''

[مسائل امام احمد190/2: 2033، طبع المكتب الإسلامی]

اسی طرح ابو عبداللہ البوشنجی رحمہ اللہ سے ''حذف السلام'' کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ''وہ سلام کو کھینچ کر مد نہ کرے، بلکہ وقف کرے۔''

[السنن الكبرى للبيهقی: 2992]

اور یہی معنی بعض اہل لغت کے موافق ہے۔ نیز یہ معنی احناف کے قول کے بھی موافق ہے۔[تبيين الحقائق: 1/ 114؛ منية المصلی و عنية المبتدی لابن امير حاج: 2/ 15]

3: جزم سے مراد اذان کے ہر جملے کے آخری کلمہ کو ساکن کر کے پڑھا جائے اور اعراب اور حرکت کے ساتھ نہ پڑھا جائے۔ یہ اہلِ لغت کی ایک کثیر تعداد نے معنی مراد لیا ہے۔ ابوعبیدہ الہروی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کلمے کے آخری حرف کھینچے، نہ اعراب پڑھے، بلکہ اس حرف کو ساکن کر کے پڑھے۔''[الغريبين: 340]

4: الفاظ میں عدم وصل کرنا، یعنی جملوں کے درمیان فاصلہ کرنا اور ہر جملے سے کلمات کو الگ کرنا جزم ہے۔[حاشية ابن قندس على الفروع: 1/ 14]

راجح بات

اذان میں جزم کے متعلق یہ تینوں معانی مراد ہو سکتے ہیں، یعنی تینوں کا احتمال ہے، لیکن سنت یہ ہے کہ الفاظ اور کلمات کو کھینچ کر مد کرتے ہوئے پڑھنا درست نہیں۔ ہر جملے پر وقف کرنا اور وقف کے ساتھ آخری کلمہ ساکن کر کے پڑھنا سنت ہے۔ واللہ اعلم

حکم کے اعتبار سے اذان میں لحن کی اقسام

فقہاء نے اذان، نماز اور قراءات میں لحن کی دو قسمیں بنائی ہیں:

(1) لحن جلی: یعنی ایسی غلطی جو لفظ کے اصل معنی سے پھیر دے اور معنی اصلی تبدیل ہو جائے۔[شرح زروق للرسالة: 1/ 207]

فقہاء کے نزدیک اذان میں جب لحن جلی واقع ہو جائے تو وہ اذان باطل ہو جاتی ہے، لحن جلی کی موجودگی میں اذان شمار نہ ہوگی، اس کے باوجود کہ ان کا اس میں اختلاف ہے کہ جہالت قابل عذر ہے یا نہیں؟

(2) لحن خفی: ایسی غلطی جو اذان کے معانی کو تبدیل تو نہیں کرتی اور نہ ہی اس کا نظم بدلتی ہے، اگر چہ وہ ظاہری غلطی ہوتی ہے۔

اذان میں لحن خفی کے متعلق فقہاء کا اختلاف

فقہاء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا اذان میں لحن خفی اذان کو باطل کرتی ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں:

1: اذان باطل نہیں ہوتی، بلکہ کراہت کے ساتھ صحیح ہوتی ہے۔ یہ جمہور اہل علم اور آئمہ اربعہ کا قول ہے۔[تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تحفة الخلان للرمراداشی: 145؛ الفواکه العوانی المنفراوی: 1/ 173؛ المنهج القويم لابن الحجر الهيتمی: ص 34؛ مجموع الفتاویٰ: 23/ 368]

2: وہ اذان جس میں لحن خفی واقع ہو، وہ صحیح نہیں ہے۔

راجح موقف

اس مسئلے میں راجح موقف عام اہل علم کا ہے، کیوں کہ اس طرح اغلاط سے بچنا ہر ایک کے لیے ناممکن ہے۔ اور یہ لوگوں کے لیے مشقت کا باعث بھی ہے بالخصوص دیہات وغیرہ میں رہنے والے لوگوں کے لیے۔

لحن جلی میں جہالت کا اثر

جب کوئی ایسا مؤذن لحن جلی کرتا ہے، جو عربی زبان یا اس حرف کے مخرج اور کیفیت نطق سے جاہل ہے۔ تو کیا اس کی جہالت قابل عذر ہے تا کہ اس کی اذان پر صحت کا حکم لگایا

جائے یا وہ نا قابل عذر ہے تو پھر اذان کو دوبارہ کہنا ضروری ہے جب کہ وقت ابھی باقی ہو۔ اس میں علماء کے دوقول ہیں:

1: اس کی یہ جہالت قابل عذر نہیں ہے اس پر لازم ہے کہ وہ ان امور کو سیکھے۔ یہ مذہب مالکیہ، اکثر شافعیہ، حنابلہ اور بعض حنفیہ کا ہے۔[تفصیل کے لیے دیکھیے: حاشية الشبر على النهاية: 1/ 459؛ تصحيح الفروع: 2/ 164؛ منية المصلى وغنية لابن أمير حاج: 2/ 15]

2: یہ جہالت قابل عذر ہے، اس کی اذان درست ہوگی، اگر چہ اس پر تعلیم حاصل کرنا لازم ہے۔ یہ بعض شوافع اور احناف میں سے محمد بن مقاتل کا قول ہے۔

راجح بات

شاید یہ جہالت قابل عذر ہو جیسے بعض حروف کے نطق سے عاجز آدمی معذور ہوتا ہے ایسے ہی اذان میں لحن خفی کرنے والا بھی معذور ہے۔

لیکن اس سے وجوب تعلم کی نفی نہیں ہوتی۔ یعنی الفاظ کی درستی کے لیے وہ کوشش کرے اور صحیح الفاظ کی ادائیگی سیکھے۔ واللہ اعلم

مؤذنین کے اغلاط کی صورتیں اور اس کی مثالیں

اہل علم نے اذان میں اغلاط کی تفصیلاً اور تعداد کے اعتبار سے متعدد صورتیں بیان کی ہیں اور ہر غلطی کو وضاحت کے ساتھ مع الدلیل، تفصیل اور حکم کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اذان میں ادائیگی کے لحاظ سے چار قسمیں بنتی ہیں:

(1) الفاظ کی زیادتی۔ (2) الفاظ میں کمی۔ (3) حروف کو بدل دینا۔ (4) وقف اور وصل میں غلطی کرنا۔

اب ہم ان چاروں اقسام کی تفصیل ذکر کرتے ہیں، اور ان کا حکم واضح کرتے ہیں۔

مبحث اول: اذان کے الفاظ میں زیادتی

اس کی دو اقسام ہیں:

1: ایسی زیادتی کہ جس سے اذان کا معنی ومفہوم ہی بدل جائے یا الفاظ میں اضافہ ہو، ایسی زیادتی جائز نہیں ہے۔ ایسی زیادتی کرنے سے اذان باطل ہو جاتی ہے، اسے شمار نہ کیا جائے گا، اس پر اجماع منقول ہے۔

2: ایسی زیادتی کہ جس سے نہ معنی تبدیل ہو اور نہ ہی جملے میں کوئی اضافہ ہو، مثلاً: "اللّٰہ اکبر" کی بجائے "اللّٰہ الاکبر" وغیرہ جیسی صورت ہو۔

ایسی زیادتی کے باعث اذان کے صحیح ہونے میں اہل علم کے دو قول ہیں:

1: احناف، مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ یہ زیادتی اذان کو باطل کر دیتی ہے، کیوں کہ اذان توقیفی ہے اور اس پر زیادتی غیر مشروع ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: حاشیہ الدر وعلی الغرر: 1/ 49؛ المدخل لابن الحاج: 1/ 262؛ اقتضاء الصراط المستقیم :1/ 280-

دمرداشی کہتے ہیں: ''اذان میں اگر ایک حرف کے بدلے دوسرا حرف پڑھا جائے تو ایسا کلمہ صحیح نہ ہوگا، پھر اگر مؤذن اس کا اعادہ نہ کرے گا تو وہ اذان باطل ہو جائے گی۔''

[تحفة الخلان للدمرداشی:ص 145]

2: شوافع کے ہاں اذان میں ایسی زیادتی جس سے معنی نہ بگڑے اذان باطل نہ ہوگی، لیکن اس کے مکروہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ [روض الطالب لابن المقری : 1/ 59]
اور یہ بعض حنابلہ کا بھی موقف ہے۔ [حواشی الاقناع 1/ 209]

اذان میں زیادتی کی صورتیں

1: ایسا حرف زیادہ کرنا جو اذان میں نہ ہو۔

2: اذان میں شد کی زیادتی۔

3: تنوین زیادہ پڑھنا۔

4: ایسی حرکات زائد پڑھنا جو موجود ہی نہ ہوں۔

5: حرکات میں اشباع پیدا کر کے پڑھنا۔

6: مد کو زیادہ کرنا۔

اب درج ذیل ان چھ اقسام کو تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے:

(1) اذان میں حرف زیادہ کرنا

حروف تہجی میں سے کوئی حرف زائد پڑھ دینا۔ فقہاء نے اس کا حکم یہ بیان کیا ہے کہ مؤذن کو اذان میں حروف کی زیادتی سے روکا جائے گا۔ مثلاً: کوئی مؤذن کہے: والله أكبر والله أكبر

یہاں (واو) شروع میں زیادہ کیا گیا ہے۔ ایسی غلطی لحن جلی شمار ہوگی اس کی دو وجہیں ہیں: ایک تو اذان میں اضافہ ہے، دوسرا اس کا معنی بھی تبدیل ہو گیا ہے۔ ایسی غلطی کو فقہاء لحن جلی شمار کرتے ہیں۔[تفصیل کے لیے دیکھیے: كشف المخدرات للبعلي الحنبلي: 1/ 105؛ اقناع للخطيب الشربيني :1/ 1185]

اور جیسے مؤذن کا اذان کے آخر میں کہنا: و لا إله إلا الله

یہاں بھی (واو) زائد ہے۔ اس غلطی میں فقہاء کہتے ہیں کہ اذان باطل نہیں ہوتی۔

(2) اذان میں شد کو زیادہ کرنا

اس کا مطلب یہ ہے کہ اذان میں بغیر شد والے حروف کو شد کے ساتھ پڑھنا۔

اس کے حکم میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔ تاہم اسے لحن ضرور قرار دیتے ہیں، چنانچہ اگر شد کے اضافے سے معنی خراب ہو جائے تو پھر شوافع کے ایک قول کے مطابق اذان باطل ہو جائے گی۔ اور اگر شد کے اضافہ سے معنی نہ بگڑے اور نہ ہی کلام قبیح بنے، تو پھر بعض احناف کے ہاں ضروری نہیں کہ وہ اذان فاسد ہی قرار پائے۔[المحيط الرهاني :1/ 320]

مثلاً مؤذن کہے: اللّٰــه أكبّـر باء کی تشدید کے ساتھ۔ اس غلطی کو شوافع کی ایک کثیر تعداد لحن جلی قرار دیتی ہے۔[تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الاقناع 1/ 113؛ حاشية الشبراملیسی على النهاية :1/ 459]

اسی طرح مؤذن کہے: الله أكبرّ راء کی تشدید کے ساتھ۔ اس قسم کی غلطی پر شوافع نے

باز رہنے کا حکم دیا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ ایسی لحن جلی ہے جو اذان اور نماز کو باطل کر دیتی ہے۔اس قول کو الشمس الرملی نے مردود قرار دیا ہے، کیوں کہ تشدید معنی نہیں بدلتی، لہٰذا یہ لحن خفی ہے۔[النهاية المحتاج:1/ 459]

(3) اذان میں تنوین زیادہ پڑھنا یعنی بغیر تنوین والے حرف کو تنوین کے ساتھ پڑھنا

مثلاً: أشهدٌ أن لا إله إلا الله اس غلطی کے بارے میں بعض فقہاء نے متنبہ کیا ہے اور بعض مالکیہ اسے فاش غلطی قرار دیتے ہیں۔تاہم یہ لحن خفی میں شمار ہوتی ہے اور ایسا پڑھنا مکروہ ہے۔

(4) غیر موجود حرکات کو زیادہ پڑھنا

اس کی دو صورتیں ہیں:

(ا) کلمے کے وسط یا آخر میں ساکن حرف کو حرکت سے پڑھنا جب کہ وہ سکون اصلی ہو۔

مثلاً: أشهد أنَ لا إله إلا الله نون کی فتح کے ساتھ پڑھنا۔

(ب) جملے کے آخری حرف پر اعراب پڑھنا جب کہ اس پر سکون عارضی ہو۔

مثلاً أشهد أن لا إله إلا الله میں لفظ جلالہ کے آخری حرف پر تنوین پڑھنا

یہ دونوں صورتیں اذان کو باطل نہیں کرتیں، یہ لحن خفی شمار ہوں گی۔

تفصیل کے لیے رجوع کریں: الجواب الحزم عن حديث التكبير جزم: 1/ 347

(5) حرکات کا اشباع

اس کا مطلب یہ ہے کہ حرکات کو اس مبالغے سے ادا کرنا کہ وہ حرف بن جائے۔

ابو العباس المہدوی نے کہا: اشباع یہ ہے کہ فتحہ کی ادائیگی ایسے کی جائے کہ وہ الف بن جائے، ضمہ واو اور کسرہ یاء بن جائے۔[التحصيل للمهدوي: 7/ 296]

حرف بننے سے مراد یہ ہے کہ وہ حرکت اپنے موافق حرف مد بن جائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی دوسرا حرف پیدا ہو جائے۔

مثلا: أشهد میں 'ھا' کا فتح الف میں بدل کر اشھاد بن جائے۔
ایسی تمام غلطیاں لحن خفی شمار ہوں گی۔ اور یہ مکروہ ہے۔
اسی طرح اللہ أکبر، اللہ وأکبر بن جائے۔
نیز بعض فقہاء لفظ جلالہ کی ہاء میں اس قسم کی غلطی کو لحن جلی بھی شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ أکبار یہاں فتحہ کا اشباع ہے وہ الف بن گیا۔
اس کے حکم میں علماء کے دو قول ہیں:

1: ایسا کہنا جائز نہیں اور جان بوجھ کر ایسا کہنے والا کافر ہے۔ یہ جمہور فقہاء اور أئمہ اربعہ کا قول ہے۔
2: ایسا کہنا نماز کو فاسد نہیں کرتا، یہ بعض احناف سے منقول ہے۔

راجح بات

ہمارے نزدیک اس میں راجح بات یہ ہے کہ یہ بظاہر ایسی غلطی ہے جو کہ ممنوع ہے، جائز نہیں۔ تاہم اس کے ممنوع ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اذان باطل ہو جائے اور نہ اس کا قائل کافر ہوگا، کیوں کہ بعض مؤذنین کا اس سے احتراز کرنا مشکل ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

اسی طرح أشهاد أن لا إله إلا الله ، أشهاد أن لا إله إلا الله
أشهد أنا لا إله إلا الله ، أشهد أنا لا إلها إلا الله
أشهد أن محامدا رسول الله ، أشهد أن موحمدا رسول الله
أشهد أن محمد راسول الله ، حاى على الصلاة ياحاى على الفلاح
حيا على الصلاة ياحيا على الصلاة ، حيا على الصلاة يا حيا على الفلاح
حى على الصالاة اور حى على الفالاح میں لحن خفی ہیں اور ایسا کہنا

مکروہ ہے۔

(6) مد کو زیادہ کرنا

اذان میں مد کرنے کے حوالے سے تین قسمیں بنتی ہیں:

1: ایسی مد جو تجوید اور اداء کے قواعد کے مطابق ہو۔

جیسے مد اصلی (مد طبعی) یعنی وہ مد جس کے بغیر ذات حرف درست نہ ہو۔

اور دوسری مد فرعی، یعنی مد طبعی کی مقدار سے زائد مد کرنا اس کی صورت مد جائز مثلاً لا إله اور مد عارض للسکون مثلاً لا إلـه إلا اللّٰه بنتی ہے۔اس مد کے متعلق فقہاء کہتے ہیں کہ کلمات اذان میں مباح ہے، مگر اَولیٰ اور اِحتیاط کا تقاضا ہے کہ یہاں مد جائز نہ کی جائے۔

2: اذان میں مد کی دوسری صورت ایسی مد کی ہے جو کلام کے نظم کو خراب کر دے اور معنی بدل دے، جیسے 'اللّٰہ' کے ہمزہ پر یا 'اکبر' کے ہمزہ پر مد طبیعی سے زائد مد کرنا۔

یہ لحن جلی کی قسم بنتی ہے جو جمہور فقہاء کے قول کے مطابق اَذان کو باطل اور فاسد کر دیتی ہے۔

3: مد زائد کی تیسری قسم یہ ہے کہ معروف مد سے زیادہ مقدار کی جائے اور اس مد سے معنی تبدیل ہوتا ہے اور نہ ہی نظم بدلتا ہے۔

اس کی دو صورتیں ہیں:

(ا) حروف مدہ ولین کے حروف کے علاوہ پر مد کی جائے۔

(ب) مد جائز کے حروف کے علاوہ پر مد کی مقدار کو زائد کرنا۔

ایسی مد نہ اذان کو باطل کرتی ہے اور نہ حرام، کیوں کہ یہ لحن جلی نہیں کہ معنی تبدیل کر دے، تاہم فقہاء نے اس کے مکروہ ہونے پر نص بیان کی ہے۔اس کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اصل مد کی مقدار موجود تھی، متکلم نے اس مقدار سے زائد پڑھا ہے اس لیے مکروہ ہے۔

چنانچہ مؤذن کا اللّٰه و أكبر کہنا لحن جلی ہے، کیوں کہ یہاں معنیٰ خراب ہو رہا ہے۔

اسی طرح اللّٰه أكبار کہنا بھی خطا اور فاش غلطی ہے۔

فقہاء نے اس غلطی سے متنبہ کیا ہے، اذان کے باطل ہونے پر نص ذکر کی ہے، کیوں

کہ اس سے ایک فاسد معنی بن جاتا ہے، نیز یہ لحن جلی شمار ہوگی۔ اسی طرح "أشهـدو أن لا إله إلا اللّٰه" کہنا بھی لحن جلی ہے اور اس پر فقہاء نے اذان کے باطل ہونے پر نص بیان کی ہے۔ (ابن قدامہ فی المغنی : 90/2)

مبحث ثانی: اذان میں کمی

اذان میں کمی سے مراد یہ ہے کہ اذان کے بعض الفاظ یا حروف یا حرکات کو چھوڑ دینا۔ فقہاء نے اس کے ممنوع ہونے پر نص بیان کی ہے۔

چنانچہ اذان میں کمی کی سات صورتیں بنتی ہیں:

1: اذان کے جملوں میں سے کسی ایک جملے یا زیادہ کو چھوڑ دینا۔

2: اذان کے حروف میں سے کسی ایک حرف یا زیادہ کو چھوڑ دینا۔

3: مشدد حرف کو تخفیف سے پڑھنا۔

4: تنوین کو نہ پڑھنا۔

5: حروف کی حرکات کو ترک کر دینا۔

6: ادغام نہ کرنا۔

7: مد طبیعی نہ کرنا۔

ان میں پہلی صورت لحن میں شامل نہیں ہے لہٰذا اس پر بات نہیں ہوگی۔ باقی چھ صورتوں کی وضاحت ہم ذیل میں کرتے ہیں:

(1) اذان میں حروف کی کمی

مؤذن کلمات اذان میں سے کسی حرف کو گرا دے، نہ پڑھے۔ مثلاً ہمزہ یا لفظ 'اللہ' کی ھاء سے پہلے الف ساکن کو ساقط کر دینا۔ اس بارے میں فقہاء کے دو قول ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ کلمات اذان میں سے کوئی حرف ساقط کیا گیا تو یہ درست نہیں ہے اور نہ ہی اسے شمار کیا جائے گا۔ یہ احناف کا قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جب کوئی زائد حرف حذف کیا جائے، کلمے کے اصلی حروف ادا کیے

جائیں اور اس سے کمی کرنا مقصود نہ ہو تو اذان فاسد نہیں ہوتی ۔ یہ بھی احناف کا قول ہے ۔
ذیل میں اس کی مثالیں ملاحظہ کریں:

الل أكبر یہاں ہاء کو ساقط کر دیا گیا ہے، یہ بہت بڑی غلطی ہے۔اس پر ائمہ کرام نے تنبیہ کی ہے ۔

اسی طرح "اشهد أن لا إله إلا اللّٰه" یہاں 'ہاء' کو چھپایا گیا ہے اور اس کا تلفظ نہیں کیا گیا، اس لیے بعض فقہاء نے اسے لحن قرار دیا ہے ۔

اسی طرح لفظ جلالہ میں 'ہاء' سے قبل الف ساکن کو حذف کرنا ،اہل علم کے ہاں لحن جلی ہے اور عمداً کرنے والے کی اذان باطل قرار پائے گی ۔

اسی طرح أشهـد لا إلـه إلا اللّٰه ہے کہ 'لام' سے پہلے ہمزہ کے بغیر پڑھنا یہ واضح خطا ہے کیوں کہ لفظ 'ان' کو حقیقتاً ترک کیا گیا ہے ۔

اسی طرح حی عصلاۃ یاحی عفلاح پڑھنا ۔

یہاں 'علی' کے حرف سے 'لام' اور 'الف' کو ساقط کر دیا گیا ہے اور یہ لحن جلی ہے ۔

(2) حرف مشدد کو تخفیف سے پڑھنا

اس کی دو صورتیں ہیں:

1: پہلی صورت یہ ہے کہ شد کی ادائیگی نہ تو ترک جیسی ہو اور نہ اثبات جیسی ۔ چنانچہ اگر اس سے معنی نہ بگڑے تو یہ غیر فاسد ہے ۔ جب معنی میں تبدیلی واقع ہو تو یہ لحن شمار ہوگی ۔

2: تشدید کلیتاً ترک کر دی جائے، اس میں اہل علم کے دو اقوال ہیں:

۱: شوافع اور حنابلہ کے ہاں یہ صحیح نہیں ہے ۔

۲: حنابلہ اور اَحناف کے ایک قول کے مطابق اگر اس سے معنی تبدیل نہ ہو تو پھر صحیح ہے ۔

جیسے أشهـد أَلا الـه إلا اللّٰه بغیر نون اور لام پر عدم تشدید کے ساتھ پڑھنا ۔ یہ لحن میں شمار ہوگا ، کیوں کہ اِدغام کیے بغیر اَدا کیا گیا ہے ۔

احناف میں سے دمرداشی کہتے ہیں کہ یہ لحن ہے۔[تحفة الخلان للدمرداشی: 145]

اسی طرح أشهد أنْ محمد رسول اللّٰه میں نون تخفیف واخفا کے ساتھ پڑھنا۔

اہل علم اسے بھی لحن میں شمار کرتے ہیں اور بعض شوافع اسے اذان کے باطل ہونے کی وجہ قرار دیتے ہیں۔اسی طرح حیْ علی الصلاة اور حیْ علی الفلاح میں 'یا' کو بغیر تشدید کے پڑھنا بھی لحن خفی ہے اور اس طرح پڑھنا مکروہ ہے۔

(3) ترک تنوین کے ساتھ اذان میں کمی

اس کی صورت یہ ہے کہ تنوین والے حرف کو بغیر تنوین کے ادا کرنا، چنانچہ اذان میں کسی بھی جگہ ترک تنوین کو لحن تصور نہیں کیا گیا سوائے ایک جگہ کے، وہ یہ ہے کہ موذن کہے: أشهد أن محمدَ رسول اللّٰه درحقیقت یہ لحن جلی نہیں ہے۔

(4) حروف کی حرکات کی کمی

متحرک حرف کو ساکن کر کے پڑھ دینا، جیسے اللّٰـهْ أكبر ، أشهد أن لا إلـهْ إلا اللّٰه اور أشهدْ أن لا إلهْ إلا اللّٰه میں 'ھاء' اور 'دال' کو ساکن کر کے ادا کرنا لحن خفی ہے۔ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

(5) ترک ادغام

کلمات اذان میں ادغام نہ کر کے کمی کرنا۔اذان میں دو جگہ ادغام ہوتا ہے یعنی شہادتین میں۔ پہلا مقام: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه ہے۔اس میں أَنْ مخففہ کو لام میں ادغام کر کے پڑھنے کے بجائے أن کو مخففہ پڑھنا۔حالانکہ اصل تلفظ أَشْهَدُ أَلَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه ہے۔

دوسرا مقام: أَشْهَـدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ کو أَشْهَـدُ أَنَّ مُـحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰه پڑھنا لحن ہے۔تاہم اہل علم میں یہ اختلاف ہے کہ یہ لحن جلی ہے یا خفی؟

پہلا قول ہے کہ یہ ایسی غلطی ہے جس سے اذان باطل ہو جاتی ہے، کیوں کہ یہاں ادغام واجب ہے۔

لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں کوئی حرف ترک نہیں کیا گیا کہ اس کی وجہ سے

اذان باطل ہو۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اذان کو باطل کر دینے والی غلطی نہیں ہے کیوں کہ ادغام نہ کرنے کی وجہ سے معنی تبدیل نہیں ہوا۔ یہ احناف بعض شوافع اور حنابلہ کا قول ہے۔

راجح بات

اس میں راجح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ لحن جلی نہیں، بلکہ لحن خفی ہے تاہم اس سے احتراز ضروری ہے۔

(6) مدطبیعی کو ترک کرنا

حرف مد یا حرف لین کو صفت لازمہ کے ساتھ لمبا کر کے پڑھنے کو مد طبیعی کہتے ہیں۔ علماء نے قرآن مجید میں مدطبیعی کے ترک کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ اذان میں مدطبیعی کے ترک کی چند صورتیں درج ذیل ہے: مثلا اللّٰــه أكبر میں لفظ جلالہ کے دوسرے الف میں مدطبیعی ترک کر دینا، چنانچہ لفظ جلالہ میں اس طرح کی کمی کے حوالے سے اہل علم کا اختلاف ہے کہ کیا اس سے اذان باطل ہوگی یا نہیں؟

تاہم اس میں راجح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ لفظ جلالہ میں 'ھاء' سے قبل الف مدہ کو ترک کرنا لحن خفی اور مکروہ ہے۔ اسی طرح شہادتین کے کلمات میں لفظ جلالہ کا معاملہ ہے۔ اور اذان کا آخری جملہ لا إلــه إلا الله کے لائے نافیہ میں الف مدہ کے متعلق بھی اہل علم کا یہی قول ہے۔

مبحث ثالث: ابدال

ابدال سے مراد یہ ہے کہ کسی حرف کو دوسرے حرف سے یا حرکت کو دوسری حرکت وغیرہ سے بدل دینا۔

ایسا کبھی عمداً ہوتا ہے اور کبھی خطاً، اور کبھی زبان کی لکنت وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اذان میں ابدال کی تین صورتیں بنتی ہیں:

1: اذان کے حروف میں ابدال یا تبدیلی

2: حرکات میں ابدال

3: صفات حروف میں ابدال

پہلی صورت: اَذان کے کسی ایک حرف کو دوسرے سے بدل کر پڑھنا:

یہ صورت اَنواع ابدال میں سب سے خطرناک غلطی ہے۔

چنانچہ اہل علم نے اس قسم کی غلطی کی وجہ سے اذان کے باطل ہونے پر نص بیان کی ہے۔تفصیل کے لیے دیکھیے: تحفة الخلان للدمرداشي: 145؛حاشية البدى على شرح الدليل :57.

لیکن دوصورتوں میں اذان باطل نہ ہوگی:

1: جب بندہ حرف کی صحیح ادائیگی سے عاجز ہو۔

2: جب دوحرفوں کے مابین مخرج ایک ہو یا قریب مخرج ہو۔جیسے الله أكبر میں کاف کی جگہ' قاف' یا' غین' یا' جیم' پڑھنا۔

شوافع اور حنابلہ نے اس کے غیر صحیح ہونے پر نص بیان کی ہے۔

تاہم اس میں راجح بات یہ ہے کہ اگر کسی بھی حرف کی صحیح ادائیگی کی صلاحیت ہو، پھر بھی وہ حرف بدل دے تو یہ لحن جلی تصور کی جائے گی، لیکن اگر مؤذن اس کی ادائیگی سے عاجز ہو تو اسے معافی ہے۔

اس طرح الله أكبر میں' راء' کو' لام' میں بدل کر پڑھنا۔اسی طرح رسول الله اور الصلاة میں' سین' کو' صاد' سے اور' صاد' کو' سین' سے بدل کر پڑھنا۔اسی طرح حی علی الصلاة میں' حاء' کو' ھاء' میں بدل کر پڑھنا۔گزشتہ قاعدے کے مطابق یہ لحن جلی ہے۔

دوسری صورت: حرکات میں ابدال، یعنی کلمات کے حرکات میں غلطی کرنا:

اس سے مراد حرکت کو بدلنا ہے اور یہ اِعراب میں غلطی ہے۔

اس کی دو حالتیں ہیں:

4: پہلی حالت: حرکت میں ایسی تبدیل کرنا جس سے معنی بگڑ جائے۔ جمہور اسے لحن جلی

قرار دیتے ہیں۔

5: دوسری حالت: اعراب بدلے، معنی تبدیل نہ ہو۔فقہا نے نصاً کہا ہے کہ اس سے اذان باطل نہیں ہوتی۔

جیسے مؤذن کا أشهد أن محمدا رسولَ اللّٰه 'لام' کو فتحہ کے ساتھ پڑھنا اور أشهد أن محمدُ رسول اللّٰه 'دال' کو ضمہ کے ساتھ پڑھنا۔اس طرح کی غلطیاں راجح قول کے مطابق لحن جلی نہیں ہیں۔

تیسری صورت: حرف کی صفت اور کیفیت میں ابدال

کسی حرف کو موٹا یا باریک یا کسی حرف کی آواز میں سختی یا نرمی، یا کسی حرف کی آواز مثل سیٹی کے یا کسی حرف کی آواز میں جھٹکا سا محسوس ہونا وغیرہ، یہ سب حرف کی صفت اور کیفیت ہے۔

ان کیفیات کو مدنظر نہ رکھنے سے حرف میں ابدال ہوتا ہے، مثلا لفظ جلالہ کو پُر (موٹا) کر کے نہ پڑھنا، اور أکبر کی 'راء' کو باریک ادا کرنا، اور رسول اللّٰه کی سین کو موٹا کر کے صاد پڑھنا وغیرہ۔ یہ تمام صورتیں مکروہ ہیں۔

مبحث رابع: وقف اور وصل کی صورت میں غلطی کرنا

اذان کے جملوں میں فصل (نہ ملانے) اور وصل (ملانے) کی دو صورتیں ہیں:

1: اذان کے جملوں میں فاصلہ کرنا

2: ایک ہی جملے کے کلمات کے درمیان فاصلہ کرنا

(1) اذان کے جملوں میں فاصلہ کرنا

ایک جملہ کے کلمات کے درمیان فاصلہ کرنا۔ اَذان کے جملے محدود ہیں، لہٰذا ہم مختصرا بعض جملوں کو بعض کے ملانے اور فاصلہ کرنے کے متعلق جو صورتیں بنتی ہیں وہ ذکر کرتے ہیں:

تکبیر کے دو جملوں کے درمیان عدم وقف کرنا

یعنی اللّٰه أکبر اللّٰه أکبر اب اس میں سنت ان کو اکٹھا ادا کرنا ہے یا دونوں جملوں کو الگ الگ پڑھنا اَفضل ہے؟

ایک قول: ہر تکبیر پر وقف کرنا اور دونوں جملوں میں فاصلہ کرنا افضل ہے یعنی اللّٰہ أکبر ، اللّٰہ أکبر کہنا۔ یہ بعض مالکیہ اور حنابلہ کا قول ہے۔

دوسرا قول: دونوں جملوں کو ملا کر پڑھنا افضل ہے، یہ شوافع کا مذہب ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ہمارے اصحاب کہتے ہیں مؤذن کے لیے ایک ہی سانس میں دو تکبیروں کو کہنا مستحب ہے، یعنی ایک سانس میں کہے: اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر اور دوسرے سانس میں کہے: اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر . [شرح صحیح مسلم: 4/ 179]

تیسرا قول: تکبیر میں وصل اور وقف میں جواز کا ہے۔ یہ اندلس کے بعض مالکیوں کا ہے۔

چنانچہ راجح دونوں تکبیروں کو الگ الگ کر کے پڑھنا ہے، اگر چہ بغیر کسی کراہت کے وصل بھی جائز ہے۔

تکبیرات کے علاوہ دوسرے جملوں میں وصل کرنا

یعنی تکبیر کے جملوں کے سوا دیگر جملوں کو اکٹھا ادا کرنا۔ مثلاً: أشهد أن لا إله إلا اللّٰهُ أشهد أن لا إله إلا اللّٰہ دونوں کو ملا کر پڑھنا۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ جملوں میں فاصلہ کرنا سنت ہے اور ترک سنت مکروہ ہے۔

جملوں کے درمیان فاصلہ کو لمبا کر دینا

چنانچہ فاصلہ کرنا مشروع ہے، مگر اس میں وقفہ لمبا کر دینا ممنوع ہے۔

تاہم اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اس سے اذان باطل ہو جاتی ہے یا نہیں؟

پہلا قول یہ ہے کہ اذان کے جملوں کے درمیان لمبا فاصلہ اذان کو باطل کر دیتا ہے۔ یہ مالکیوں، متعدد شافعیوں اور حنبلیوں کا قول ہے۔

دوسرے قول کے مطابق لمبا فاصلہ باطل نہیں کرتا، یہ شوافع کا قول ہے۔

(2) ایک ہی جملے کے کلمات کے درمیان فاصلہ کرنا

اس کی صورت یہ ہے کہ جملے کے الفاظ پورا ہونے سے پہلے درمیان میں وقف کرنا، یہ

مذموم غلطی ہے۔ جیسے أشهد أن لا إله پڑھ کر خاموش ہو جانا پھر مکمل پڑھنا اور یہاں وقف ممنوع ہے۔ اسی طرح تکبیر کے دوکلموں میں وقف کرنا اللہ أکبر کو اللہ ، أکبر پڑھنا۔ یہ لحن جلی ہے اور اذان کو باطل کر دیتی ہے۔

اور مد (طبیعی) کرتے وقت خاموش ہو جانا۔ اس کے متعلق اہل علم نے تنبیہ کی ہے کہ اس سے بچنا چاہئے۔

☆ واضح رہے کہ اذان میں دو قسم کی غلطیاں ہوتی ہیں، جنہیں لحن جلی اور لحن خفی کہتے ہیں۔

لحن جلی کے بارے میں اکثر فقہاء کا قول ہے کہ اذان باطل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس سے بچنا واجب ہے۔

اور لحن خفی کے بارے میں ان کا قول ہے کہ اذان تو باطل نہیں ہوتی مگر ایسی غلطی کرنا مکروہ ہے۔ چنانچہ ہمیں مساجد میں اہتمام کرنا چاہیے کہ اذان کہنے والوں کی تربیت کی جائے، اذان کے احکام ومسائل سے متعلق بنیادی اور ضروری آگاہی دی جائے۔ ذیل میں اذان کے اندر چند لحن جلی کی صورتیں ذکر کی جاتی:

الله واكبر	والله أكبر	اللا اكبر
اللهو أكبر	الله واكبر	الله أكبار
الله اقبر	شهد أن لا إله إلا الله	أشهد أن لا إله إلا الله
حيا على الصلاة حي عصلاة		حى على الصلا
حى عفلاح	عى على الصلاة	لا إله إلا اللا

اللہ تعالیٰ ہمیں اذان، قرآن مجید اور ذکرِ الٰہی کے الفاظ کا تلفظ اور ادائیگی صحیح طریقے سے کرنے کی توفیق بخشے۔ امین

☆......☆......☆

خواتین کے مخصوص مسائل

حافظ عامر سہیل

ماہواری (Menstrual Period) یا حیض یا وہ مخصوص خون جو بالغ عورت کو ایام مخصوصہ میں آتا ہے۔ یہ خون ماں کے پیٹ میں بچے کی غذا کا بھی کام دیتا ہے۔اس لیے حاملہ کو حیض نہیں آتا۔ اس کا خروج عورت کی صحت کا ضامن ہے، اس کی بندش یا بے اعتدالی مضر اور کئی بیماریوں کا پیش خیمہ ہے۔

باب اول:

سوال (۱): کیا ماہواری بلوغت کی نشانی ہے؟

جواب: اسلام ہر اس لڑکے یا لڑکی کو بالغ قرار دیتا ہے جسے احتلام ہونا شروع ہو جائے یا زیر ناف بال آجائیں۔لڑکی کو حیض آنا بھی بلوغت کی نشانی ہے۔ (سورۃ الطلاق:۴)

سوال (۲): کیا ایام مخصوصہ کی تعین ہو سکتی ہے؟

جواب: ایام ماہواری کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت متعین نہیں، اس کا انحصار فطرت و عادت پر ہے، بعض لوگ ماہواری کی کم سے کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن بتاتے ہیں لیکن اس حوالہ سے کوئی بات ثابت نہیں ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سلسلے کی تمام روایات ضعیف ہیں، ان کے ضعف پر محدثین کا اجماع ہے۔ (المجموع شرح المہذب : ۲/ ۳۸۳)

تو پتا چلا کہ عورت کے ایام کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

سوال (۳): حیض کے خون کی پہچان کیسے ہوگی؟

جواب: ایام مخصوصہ میں سیاہی مائل، زرد، مٹیالہ، سیاہ رنگ کا خون آئے، تو وہ حیض ہی شمار ہوگا۔

عورتیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ڈبیا بھیجتیں، جس میں روئی ہوتی تھی، اس میں زرد رنگ کا خون حیض ہوتا تھا، (سوال کرتیں کہ نماز پڑھ لیں) تو آپ رضی اللہ عنہا فرماتیں: جلدی نہ کریں خالص سفیدی دیکھ لیں۔(صحیح البخاری تعليقاً ، كتاب الحيض باب : ١٩ المؤطا للامام مالك : ١٣٠ ، السنن الكبرى للبيهقى : ١/ ٣٣٦، وسنده حسن)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کو منع کرتی تھیں کہ رات کے وقت فیصلہ نہ کریں کہ حیض ختم ہو چکا ہے یا نہیں۔خون (حیض) بھی زرد، مٹیالے رنگ کا ہوتا ہے۔(المصنف لابن أبي شيبة : ١٠٠١ ، وسنده حسن)

نوٹ : ......اگر ایام مخصوصہ سے فارغ ہو کر زرد یا مٹیالے رنگ کا خون آئے تو وہ حیض شمار نہیں کیا جائے گا۔(صحيح البخاری : ٣٢٦)

سوال (۴): جس عورت کو مسلسل پانی آتا ہو؟

جواب: ماہواری سے فارغ ہونے کے بعد اگر عورت کو مسلسل پانی آرہا ہو تو وہ ہر نماز کے لیے الگ وضو کرے گی کیونکہ یہ استحاضہ ہے (جس کی تفصیل آگے آئے گی)

سوال (۵): کیا حاملہ عورت کو حیض آتا ہے۔

جواب: حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا۔

- سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ”انہیں حکم دو کہ رجوع کر لیں۔ پھر طہر یا حمل میں طلاق دیں۔ (صحيح البخاری : ٥٢٥١) ثابت ہوا حاملہ کو حیض نہیں آتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کو طہر کے قائم مقام قرار دیا۔
- قرآن کریم نے طلاق کی بحث میں غیر حاملہ کی عدت تین حیض بیان فرمائی ہے جبکہ حاملہ کی عدت وضع حمل (حمل کا پیدا ہو جانا) بتائی ہے۔(الطلاق : ٤) اگر حاملہ کو بھی حیض آتا تو اس کی عدت بھی تین حیض مقرر کر دی جاتی۔

سوال (٦): کیا عمر رسیدہ عورت کو حیض آتا ہے؟

جواب: عمر رسیدہ عورت کو حیض نہیں آتا۔ اگر اسے خون آئے تو وہ استحاضہ کا خون شمار ہوگا وہ ہر نماز کے لیے وضو کرے گی۔

❁ امام دارمی رحمہ اللہ سے بوڑھی عورت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: وہ وضو کر کے نماز پڑھے، اگر طلاق ہو جائے تو تین ماہ مدت مکمل کرے۔

(سنن الدارمی : ۸۵۲)

سوال (۷): کیا ایک ماہ میں دو، یا تین بار حیض آسکتا ہے؟

جواب: ممکن ہے۔ (واللہ اعلم)

سوال (۸): کیا مانع حیض ادویات استعمال کی جاسکتی ہیں؟

جواب: مانع حیض ادویات کا استعمال مناسب نہیں ہے، کیونکہ طبی لحاظ سے اس کے کئی ایک نقصانات ہیں، مثلاً

۱: مانع حیض ادویات سے ماہواری کا عمل بگڑ جاتا ہے، اس کے نتیجے میں عورت کا ماں بننا مشکل ہوجاتا ہے، ہمارے ملک میں ۸۵ فیصد عورتیں اس نقصان میں مبتلا ہیں۔

۲۔ ہارمونز متاثر ہوتے ہیں اور کئی بیماریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ مردوں سے مشابہت پیدا ہوتی ہے، مثلاً چہرے پر بال اُگ آتے ہیں۔

۴۔ چہرے پر چھائیاں پڑجاتی ہیں۔

یہ نقصانات ان خواتین کا مقدر ہیں جو ایسے کام سرانجام دیتی ہیں۔

نوٹ:...... اگر مانع حیض دوائی سے خون بند ہوجائے تو عورت نماز روزہ طواف وغیرہ کرسکتی ہے۔ (دیکھیے المصنف لعبدالرزاق : ۱۲۱۹، عن ابن جریج من قوله، وسنده صحیح)

سوال (۹): کیا ماہواری کا خون ناپاک ہوتا ہے؟

جواب: ماہواری (حیض) کا خون ناپاک ہوتا ہے، یہ جسم یا کپڑے کو لگنے کی صورت میں دھویا جائے گا۔

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک خاتون نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: کپڑوں کو حیض کا خون لگ جائے تو کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: ''کھرچیں، پانی سے ملیں اور دھو دیں، پھر اس میں نماز پڑھ لیں۔'' (صحيح البخاري : ٢٢٧ ، صحيح مسلم : ٢٩١)

سوال (۱۰): کیا ہر مائع چیز میں دھونے کی صلاحیت ہوتی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے نجاست زائل کرنے کی صلاحیت صرف پانی میں رکھی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴾ (الفرقان : ٤٨)

''اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اُتارا۔''

سوال (۱۱): کیا ماہواری والے کپڑوں میں نماز ہو جائے گی؟

جواب: دوران ماہواری اگر کپڑے کو خون لگ جائے تو کپڑے کو دھو کر نماز ادا کریں، اگر یقین ہو کہ خون نہیں لگا تو بغیر دھوئے بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا نبی ﷺ اس کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے جس میں آپ صحبت کیا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں، جب دیکھتے کہ اس میں نجاست نہیں لگی ہوئی۔ (سنن أبي داود : ٣٦٦ وسنده صحيح)

سوال (۱۲): ماہواری کے بعد غسل اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: ماہواری کے بعد غسل کرنا فرض ہے۔ (صحيح البخاري : ٣٢٠)

طریقہ غسل

غسل کی نیت کریں۔ مگر یاد رہے کہ نیت دل کے ارادے کا نام ہے، زبان سے الفاظ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غسل جنابت فرماتے تو شروع میں

دونوں ہاتھوں کو دھوتے، پھر دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور شرمگاہ دھوتے، پھر نماز کے وضو کی مانند وضو کرتے پھر پانی لے کر اپنی اُنگلیاں، بالوں کی جڑوں میں داخل کرتے، حتیٰ کہ جب آپ سمجھتے کہ آپ نے اچھی طرح جڑوں میں پانی پہنچا دیا ہے تو اپنے سر پر دونوں ہاتھوں سے تین چلو ڈالتے، پھر سارے جسم پر پانی ڈالتے، پھر آخر میں پاؤں دھو لیتے۔ (صحيح البخاري : ٢٤٨۔ صحيح مسلم : ٣١٦)

نوٹ : ...... غسل کرتے وقت پاؤں وضوء کے ساتھ بھی دھو سکتے ہیں اور آخر میں بھی دھو سکتے ہیں، دونوں طرح درست ہے۔

سوال (۱۳): کیا حائضہ سر کے بال کھول کر غسل کرے؟

جواب: حائضہ بال کھولے بغیر سر پر تین چلو ڈال لے تو کافی ہے، بال کھولنا ضروری نہیں۔

سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایک ایسی عورت ہوں کہ کسّ کر سر کے بالوں کی مینڈیاں بناتی ہوں، کیا غسل جنابت کے لیے انہیں کھولوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، بس سر پر تین چلو پانی ڈال اور سارے جسم پر پانی بہا، یہی کافی ہوگا۔'' (صحيح مسلم : ٣٣٠)

سوال (۱۴): کیا حائضہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کر سکتی ہے؟

جواب: بالکل، حائضہ ماہواری ختم ہونے پر اگر پانی نہ ملے تو تیمّم کر سکتی ہے۔ (سورۃ المائدۃ: ٦)

سوال (۱۵): کیا عورت بیماری کی وجہ سے تیمّم کر سکتی ہے؟

جواب: جی ہاں! بیماری کی وجہ سے اگر پانی سے غسل کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہو تو تیمّم کر سکتی ہے۔ (سورۃ المائدۃ : ٦)

سوال (١٦): حائضہ کے پسینے کا کیا حکم ہے؟

جواب: حائضہ کا پسینہ پاک ہے، حائضہ نجس نہیں ہوتی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''مومن ناپاک نہیں ہوتا۔'' (صحيح البخاري : ٢٨٥)

امام نافع رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ جنابت کی حالت میں آپ کو پسینہ آتا تو آپ انہیں کپڑوں میں نماز پڑھ لیتے۔

(المصنف لابن أبي شيبه : ۲۰۲۲ و سنده صحيح)

سوال (۱۷): کیا حائضہ عورت کا جوٹھا استعمال کر سکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! حائضہ عورت کے ساتھ کھانا کھانا، اس کی جوٹھی چیزیں استعمال کرنا اور اس کا بنایا ہوا کھانا کھایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ مومن نجس نہیں ہوتا۔ زمانہ جاہلیت میں عورت کے مخصوص دنوں میں اسے الگ جگہ پر کر دیا جاتا تھا، اس کے ساتھ ہر طرح کا معاملہ منقطع کر دیا جاتا تھا جبکہ اسلام نے عورت کو عزت سے نوازا۔

سوال (۱۸): ماہواری میں جماع کرنا کیسا ہے؟

جواب: حیض کے دنوں میں جماع کرنا حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾ (البقرة : ۲۲۲)

''تم دوران حیض عورتوں سے الگ رہو اور ان سے ہم بستری نہ کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہودی، جب ان کی کوئی عورت حائضہ ہوتی تو نہ وہ اس کے ساتھ کھانا کھاتے اور نہ اس کے ساتھ گھر میں اکٹھے رہتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جماع کے سوا سب کچھ کرو۔'' (صحيح مسلم : ۳۰۲)

وضاحت: ......اس حدیث میں نکاح کا لفظ جماع کے معنی میں بولا گیا ہے، طبی طور پر بھی ماہواری کے دنوں میں جماع کرنا مرد و عورت کے لیے انفیکشن (Infection) کا باعث ہے۔ اس بیماری کے علاج میں (High Potency Antibiotic) کا استعمال کروایا جاتا ہے۔ جس کے بہت سے (Side Effects) ہیں۔ مثلاً السر، آنتوں کی بیماریاں، یرقان وغیرہ۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حیض کے دنوں میں جماع کرنے سے کوڑھ لگ جانے

کا خدشہ ہوتا ہے۔(زاد المعاد :٤/ ٤٠٧)

سوال (۱۹): کیا ماہواری کے بعد غسل سے پہلے جماع ہوسکتا ہے؟

جواب: جب تک عورت غسل نہ کرلے اس وقت تک اس سے جماع کرنا حرام ہے۔ (دیکھیے: سورۃ البقرۃ:۲۲۲)

سوال (۲۰): کیا ایام مخصوصہ میں طلاق ہوجاتی ہے؟

جواب: ایام مخصوصہ میں طلاق دینا مکروہ ہے، لیکن طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ (صحيح البخاري : ٥٢٥٢)

سوال (۲۱): کیا حیض والی عورت نماز پڑھے گی؟

جواب: نماز دین اسلام کا بنیادی ستون ہے، دوران حیض نماز کی اجازت نہیں ہے۔ (صحيح البخاري : ٣٠٤)

سوال (۲۲): کیا حائضہ عورت مسجد جاسکتی ہے؟

جواب: حائضہ عورت کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد حلال نہیں۔'' (سنن ابی داؤد : ٢٣٢ وسنده حسن)

سوال (۲۳): کیا حائضہ عورت دم کرسکتی ہے؟

جواب: حائضہ عورت دم کرسکتی ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو ماہواری میں دَم کردیتی تھیں۔ (سنن الدارمی : ١٠٣٦ وسنده صحیح)

سوال (۲۴): کیا حائضہ عورت روزہ رکھے گی؟

جواب: حائضہ عورت دوران حیض روزہ نہیں رکھے گی۔ البتہ پاکی حاصل کرنے کے بعد فرضی روزوں کی قضائی دے گی۔ (صحيح البخاري : ٣٢١، صحيح مسلم : ٣٣٥)

استحاضہ کے مسائل

استحاضہ ایک بیماری ہے۔ علامہ عبید اللہ مبارک پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حیض اور

نفاس کے علاوہ شرمگاہ سے نکلنے والا خون ہے، یہ خون ایک رگ سے نکلتا ہے، یہ رگ رحم کے اندر نہیں بلکہ رحم کے منہ کے پاس ہوتی ہے اس کو (عرق عاذل) کہتے ہیں۔

(مرعاة المفاتیح : ۲/ ۲۵۵)

سوال (۲۵): حیض اور استحاضہ کے خون میں فرق کیسے کیا جائے گا ؟

جواب: استحاضہ کا خون مسلسل جاری رہتا ہے۔ حیض اور استحاضہ کے خون میں فرق کرنے کے تین طریقے شریعت نے بتائے ہیں:

۱: ماہواری شروع ہونے کے بعد استحاضہ کا عارضہ لاحق ہو تو ماہواری کے دنوں کا اعتبار ہوگا جن دنوں ماہواری آتی تھی ان کے علاوہ استحاضہ کا خون شمار ہوگا۔

۲: استحاضہ کا خون پہلے جاری ہوا اور حیض کا خون بعد میں آیا تو دونوں میں فرق رنگت سے کرے گی حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے۔ (سنن أبي داوٗد : ۲۸۶ وسنده حسن) جبکہ استحاضہ کا خون سرخی مائل ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم : ۳۳٤)

۳: اپنے خاندان کی عورتوں سے پوچھے گی جن دنوں ان کو حیض آتا ہے اتنے دن خود کو حائضہ سمجھے۔ (سنن الدارمي :۸۷۵ وسنده صحیح ، یہ قول عطاء بن ابی رباح تابعی رحمہ اللہ کا ہے)

سوال (۲٦): مستحاضہ طہارت کیسے حاصل کرے؟

جواب: مستحاضہ ایام حیض میں نماز، روزہ، جماع سے رکی رہے گی البتہ حیض ختم ہونے کے بعد غسل ضروری ہے کہ باقی دنوں میں اس کا حکم عام عورتوں جیسا ہے۔

(دیکھئے: صحیح البخاری : ۲۲۸)

سوال (۲۷): کیا مستحاضہ کے لیے ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا ضروری ہے؟

جواب: مستحاضہ ایک وضو کے ساتھ صرف ایک نماز پڑھ سکتی ہے۔ اسے ہر نماز کے لیے الگ وضو کرنا ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: ''ہر نماز کے لیے الگ سے وضو کرو۔'' (صحیح البخاری : ۲۲۸)

سوال (۲۸): کیا مستحاضہ سے جماع ہوسکتا ہے؟

جواب: مستحاضہ سے جماع ہوسکتا ہے۔منع کی دلیل نہیں ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ (البقرۃ: ۲۲۳)

''تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں اپنی کھیتی کو جیسے چاہو آؤ۔''

نفاس کے احکام

خون نفاس کا بھی خونِ حیض والا حکم ہے۔

خونِ نفاس کے چند مسائل:

۱: حیض کا خون نجس ہے، نفاس کا بھی نجس ہے۔

۲: حیض کے بعد غسل واجب ہے، نفاس کے بعد بھی واجب ہے۔

۳: حیض میں جماع حرام ہے نفاس میں بھی حرام ہے۔ (المغنی: ۱/ ۳۶۲)

۴: حیض میں نماز، روزہ، مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے اور نفاس میں بھی یہی حکم ہے۔

۵: حیض میں غسل سے پہلے جماع جائز نہیں اور نفاس کا بھی یہی حکم ہے۔

۶: چالیس دن بعد اگر خون جاری رہے تو پھر نماز، روزے کی ادائیگی کرے کیونکہ یہ کوئی بیماری ہے، نفاس نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

۷: اگر طبعی طور پر نفاس کا خون نہیں آیا تو غسل کرکے نماز پڑھے گی۔

۸: اگر نفاس میں طلاق دی گئی ہو تو طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

عدت کے مسائل

عورت کا خاوند فوت ہوجائے یا اسے طلاق ہوجائے یا وہ خلع لے لے تو اسے ایک خاص عرصہ مخصوص انداز سے گزارنا پڑتا ہے۔اس دوران میں کسی دوسرے مرد سے منگنی یا نکاح نہیں کرسکتی۔ یہ عرصہ مختلف عورتوں کے لیے مختلف ہوتا ہے۔

حاملہ کی عدت:

حاملہ کا خاوند فوت ہوجائے یا طلاق دے دے تو اس کی عدت وضع حمل ہے، جب تک بچہ جنم نہ لے عدت میں رہے گی اور بچے کے پیدائش کے بعد عدت ختم ہوجائے گی خواہ چند دن یا چند لمحے ہی گزرے ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ (الطلاق : ٤)

''حاملہ کی عدت بچے کی پیدائش ہے۔''

مطلقہ کی عدت:

طلاق یافتہ کی عدت تین حیض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ﴾ (البقرة :٢٢٨)

''طلاق یافتہ عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔''

نوٹ:

اگر عورت کو حیض نہیں آتا تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔

خلع یافتہ کی عدت:

عورت نکاح سے نکلنا چاہے تو عدالت میں جا کر حق مہر واپس کر کے نکاح ختم کرواسکتی اسے خلع کہتے ہیں۔ خلع فسخ نکاح ہے، طلاق نہیں۔ خلع لینے والی عورت کی عدت ایک حیض ہے۔ (سنن النسائي : ٣٤٩٧، صحيح)

☆......☆......☆

"یا ساریة الجبل" والی روایت کا حکم

حافظ بلال اشرف اعظمی

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے (نہاوند کی طرف) ایک لشکر بھیجا، اور سیدنا ساریہ بن زنیم رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنایا، اسی دوران کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے (اچانک) چیخنے لگے: اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ لو۔ پھر لشکر سے ایک قاصد آیا اور اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! ہمارا دشمن ہمیں ملا اور ہمیں شکست دے دی تو اچانک ایک چیخنے والے نے چیخ کر کہا: اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ لو، ہم نے اپنی پیٹھیں پہاڑ کی طرف کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے انھیں شکست دے دی۔ (دلائل النبوة للبيهقي: ٦/ ٣٢٢)

یہ قصہ ثابت نہیں ہے، اس کی تمام سندیں ضعیف ہیں، کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ابن عجلان عن نافع عن ابن عمر۔ (دلائل النبوة للبيهقي: ٦/ ٣٢٢، تاريخ دمشق لابن عساكر: ٢٠/ ٤٢، الشريعة للآجري: ٤/ ١٨٨٨ وغیرہ)

یہ سند ابن عجلان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے، محمد بن عجلان راوی مدلس ہے، بہت سے علماء نے اسے مدلس قرار دیا ہے، چند علماء درج ذیل ہیں:

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی (م: ۳۲۱ھ) (شرح مشكل الآثار: ١/ ٢٣٧)

حافظ محمد بن حبان البستی (م: ۳۵۴ھ) (كتاب الثقات لابن حبان: ٧/ ٣٨٦، ٣٨٧)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "وصفه ابن حبان بالتدليس۔" "امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے تدلیس کا مرتکب قرار دیا ہے۔" (طبقات المدلسين لابن حجر، ص: ٤٤)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (م: ۷۴۸ھ) (منظومة الحافظ الذهبي مطبوعة مع الفتح المبين فى تحقيق طبقات المدلسين، ص: ١٧٣)

حافظ ابن حجر العسقلانی (م: ۸۵۲ھ) نے محمد بن عجلان کو مدلسین کے طبقہ ثالثہ میں ذکر

کیاہے۔(طبقات المدلسین، ص: ٤٤)

ابوالحسن محمد بن عبدالہادی السندی (م: ۱۱۳۸ھ) حافظ احمد بن ابوبکر البوصیری رحمہ اللہ کی کتاب "زوائد سنن ابن ماجه علی الکتب الخمسة" سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ومحمد بن عجلان مدلس أيضا۔" (حاشية السندی علی سنن ابن ماجه، ص: ۳۲۷)

مزید دیکھیں: ظفر الأماني بشرح مختصر السيد الشريف الجرجانی از عبدالحئ لکھنوی حنفی، ص: ۳۸۹، الفتح المبین في تحقیق طبقات المدلسین از حافظ زبیر علی زئی، ص: ۱۱۷)

نوٹ: حافظ ابن حبان رحمہ اللہ اور امام ذہبی رحمہ اللہ محمد بن عجلان کو مدلس قرار دینے میں منفرد نہیں ہیں، دیگر علماء کرام نے بھی انہیں مدلس قرار دیا ہے، کما مر۔ لہٰذا یہاں یہ کہنا کہ ''حافظ ابن حبان اور امام ذہبی ارسال اور تدلیس میں فرق نہیں کرتے۔'' بے سود ہے۔

صحیحین کے علاوہ مدلس کی عن والی روایت غیر مقبول اور ضعیف ہوتی ہے۔ صاحبِ نبراس جناب عبدالعزیز پر ہاڑوی حنفی (م: ۱۲۳۹ھ) نے تو لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: "عنعنة المدلس غير مقبولة إجماعًا، وما وقع في الصحيحين فيما فصادرة عن تحقق وتيقظ"۔ یعنی اس بات پر اجماع ہے کہ مدلس کا عنعنہ غیر مقبول ہے۔ صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں مدلس کا عنعنہ (مضر نہیں ہے)۔ اس کی وجہ امام بخاری اور امام مسلم کی بیدار مغزی اور ثبوتِ سماع ہے۔ (كوثر النبي فی أصول الحديث، ص: ١٠٤، مکتبہ امدادیہ ملتان)

بریلوی مکتب فکر کے بانی جناب احمد رضا خان بریلوی صاحب (م: ۱۹۲۱ء) لکھتے ہیں:

''عنعنہ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار و معتمد میں مردود و نامستند ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ: ۵/۲۴۵)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''اور عنعنہ مدلس اصول محدثین پر نامقبول۔'' (فتاویٰ رضویہ:

۲٦٦/۵) مزید دیکھیں۔ (فتاویٰ رضویہ: ۲۹/ ۱٦٦)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

محمد بن عجلان نے سماع کی تصریح کر دی ہے، امام احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ (م: ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

"قال ابن عجلان وحدثنا إياس بن معاوية بن قرة بذلك۔"

''محمد بن عجلان نے کہا: ہمیں یہ قصہ ایاس بن معاویہ بن قرہ نے بیان کیا۔'' (دلائل النبوة للبيهقي : ٦/ ٣٢٢)

ازالہ: محمد بن عجلان نے تو سماع کی تصریح کر دی ہے، لیکن حل طلب بات یہ ہے کہ ثقہ تابعی ایاس بن معاویہ (م: ۱۲۲ھ) نے یہ روایت کس سے بیان کی ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

(۱) ایاس بن معاویہ نے یہ روایت نافع سے بیان کی ہے اور نافع ایاس بن معاویہ کے اساتذہ میں سے ہیں۔

(۲) ایاس بن معاویہ نے یاساریة الجبل والی روایت اور واقعہ خود بیان کیا ہے، اس صورت میں سند منقطع ہو گی، کیونکہ ایاس بن معاویہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے واقعات و روایات بلاواسطہ بیان کر دیتے ہیں، دیکھیں: تغليق التعليق لابن حجر : ۳/ ۳۳۷، النفقة على العيال لابن أبي الدنيا : ٤٤٣)

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ، حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ اور مولانا مبشر ربانی حفظہ اللہ نے ایاس بن معاویہ والی سند کو مرسل (منقطع) قرار دیا ہے۔ (عقیدہ اہل حدیث، ص: ۷۷، فتاویٰ علمیہ: ۴۳۳/۲، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵۴/۳)

جب تک کسی سند میں یہ صراحت نہ مل جائے کہ ایاس بن معاویہ نے یہ روایت نافع سے بیان کی ہے اور نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے، تب تک اس سند کو حسن قرار دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔

(۲) فرات بن السائب عن میمون بن مہران عن ابن عمر۔ (أسد الغابة لابن

الأثير:٢/ ١٥٤)

اس سند میں فرات بن السائب سخت مجروح اور متروک ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ (م:٢٥٦ھ) نے فرمایا: "تركوه" ''محدثین نے اسے چھوڑ دیا ہے۔''
(كتاب الضعفاء الصغير : ٢٩٧) مزید دیکھیں:(ميزان الاعتدال للذهبی : ٣/ ٣٤١)

(٣) ایوب بن خوط عن عبدالرحمٰن السراج عن نافع الخ۔(الفوائد لأبي بكر بن خلاد : ١/ ٢١٥/ ٢ بحواله سلسلة الأحاديث الصحيحة : ٣/ ١٠١، دلائل النبوة لأبي نعيم، ص : ٣٤٤)

اس سند میں ایوب بن خوط متروک اور مجروح ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (م:٨٥٢ھ) نے فرمایا: ''متروک۔'' (تقریب التہذیب، ص: ۵۵)

(۴) محمد بن عمر الواقدی عن مشائخہ:(الجزء المتمم لطبقات ابن سعد : ١/ ٣٤٠، الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر : ٢/ ٣، البداية والنهاية لابن كثير : ٥/ ٢١١)

محمد بن عمر الواقدی متروک ومجروح ہے۔ حافظ شمس الدین الذہبی (م: ۷۴۸ھ) نے فرمایا: "مجمع على تركه۔"

''اس کے متروک ہونے پر اجماع ہے۔'' (المغنی في الضعفاء : ٢/ ٢٤٧)

(۵) سیف بن عمر عن مشائخہ۔(البداية والنهاية لابن كثير : ٥/ ٢١٠)

سیف بن عمر متروک ومقدوح ہے، حافظ شمس الدین الذہبی (م: ۷۴۸ھ) نے فرمایا: "متروك باتفاق۔" ''بالاتفاق متروک ہے۔'' (المغنی فی الضعفاء : ١/ ٤١٩)

(٦) عمرو بن أزہر عن مالک عن نافع عن ابن عمر۔(كرامات أولياء الله لأبي القاسم اللالكائي، رقم: ٦٧، ص: ١٢٠، البداية والنهاية لابن كثير : ٥/ ٢١١)

اس سند میں عمرو بن ازہر ہے، جس کے بارہ میں امام علی بن عمر الدارقطنی رحمہ اللہ (م: ٣٨٥ھ) نے فرمایا: "كذاب"۔(الضعفاء والمتروكون : ٣٩٥) مزید دیکھیں۔

(الكامل في ضعفاء الرجال : ٦/ ٢٣٢ ، ٢٣٣ ، ٢٣٤)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (م:۷۷۴ھ) نے فرمایا: "وفـي صحته من حديث مالك نظر" اور اس کی صحت میں نظر ہے۔ (البداية والنهاية : ٥/ ٢١١)

(۷) هشـام بـن مـحـمـد بن مخلد بن مطر قال حدثنا أبو توبة قال حدثنا محمد بن مهاجر عن أبي بلج على بن عبدالله إلخ۔ (شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي ، ح : ٢٥٣٨ ، ٧/ ١٤١٠)

اس سند میں ہشام اور ابو بلج کے حالات نامعلوم ہیں، یعنی دونوں مجہول ہیں۔

دلائـل الـنبـوة لأبي نعيم (ص : ٣٤٥) میں اس قصہ کی مزید دو سندیں بھی موجود ہیں، ایک میں ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن وغیرہ ضعیف و مجروح ہے اور دوسری منقطع ہے۔

ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی الحنفی (م:۷۶۲ھ) لکھتے ہیں:

"وكـم مـن حـديث كثرت رواته وتعددت طرقه وهو حديث ضعيف۔"

''اور کتنی ہی ایسی احادیث ہیں جن کے راوی بہت ہیں اور سندیں متعدد ہیں، حالانکہ وہ ضعیف ہیں۔'' (نصب الراية لأحاديث الهداية : ١/ ٣٥٩ ، ٣٦٠)

پس خلاصہ یہ ہے کہ یہ قصہ اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف اور ناقابل حجت ہے۔

محقق العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ (م:۲۰۱۳ء) لکھتے ہیں:

''مذکورہ واقعہ اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف و ناقابل اعتماد ہے۔ لہٰذا اسے کسی متاخر امام یا عالم کا صحیح قرار دینا اُصول حدیث کی رو سے غلط ہے۔ جو لوگ اسے صحیح سمجھتے ہیں انھیں چاہیے کہ اُصول حدیث کی روشنی میں اس واقعہ کا صحیح ہونا ثابت کریں۔'' (فتاوی علمیه : ٢/ ٤٣٤)

☆......☆......☆

آخری قسط

مباحث اصولِ حدیث

محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ — جمع وترتیب: محمد ارشد کمال

اجماع خبر واحد سے بڑا ہے

امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: "الأصل قرآن أو سنة ، فإن لم يكن فقياس عليهما . وإذا اتصل الحديث عن رسول الله (ﷺ) و صح الإسناد [به] فهو سنة . والإجماع أكبر من الخبر المنفرد . والحديث على ظاهره و إذا احتمل المعاني فما أشبه منها ظاهر الأحاديث أولاها به ، وإذا تكافأت الأحاديث فأصحها إسنادًا أولاها . وليس المنقطع بشيء ما عدا منقطع ابن المسيب . "

اصل (دلیل) قرآن یا سنت (حدیث) ہے، اور اگر (ان میں) نہ ہو تو پھر ان دونوں پر قیاس (اجتہاد) ہے۔ اور جب رسول اللہ (ﷺ) تک حدیث متصل (سند سے) ہو اور سند صحیح ہو تو یہ سنت ہے۔ اور اجماع خبرِ واحد سے بڑا ہے۔ اور حدیث اپنے ظاہر (یعنی ظاہری مفہوم) پر ہوتی ہے اور اگر (اس میں) کئی معنوں کا احتمال ہو تو جو ظاہر احادیث سے زیادہ مشابہ ہو وہی اَولیٰ (یعنی راجح) ہے۔ اور اگر روایات (بظاہر) ایک دوسرے کے مقابل (مخالف) ہوں (اور تطبیق ممکن نہ ہو) تو پھر سب سے زیادہ صحیح سند والی (روایت یا روایات) کو ترجیح حاصل ہے۔ اور منقطع (مثلاً مرسل) کوئی چیز نہیں سوائے (سعید) ابن المسیب کی منقطع کے۔ (آداب الشافعی ومناقبہ لابن ابی حاتم ص ۱۷۷۔۱۷۸، وسندہ صحیح)

۱: ثابت ہوا کہ حجیت کے لحاظ سے حدیث اور سنت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، لہٰذا جو لوگ بابِ حجیت میں حدیث اور سنت میں فرق کرتے ہیں وہ لوگ غلط راستے پر رواں ہیں۔

۲: اجماع شرعی دلیل ہے بلکہ خبر واحد سے بڑی چیز ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ خبرِ واحد میں غلط تاویل کی جا سکتی ہے جیسا کہ ماترید یہ اور مبتدعین کا طرزِ عمل ہے لیکن اجماع میں ایسی تاویل قطعاً نہیں ہو سکتی بلکہ اجماع سے ایک مفہوم یقینی طور پر متعین ہو جاتا ہے۔

۳: حدیث اپنے ظاہر اور عموم پر محمول ہوتی ہے اِلا یہ کہ سلف صالحین سے اس کی کوئی تشریح یا تخصیص ثابت ہو (جیسا کہ دوسرے دلائل سے ظاہر ہے) تو پھر یہی تشریح و تخصیص مقدم ہے۔

۴: منقطع اور مرسل ضعیف و مردود روایت ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ ہماری تحقیق، دوسرے دلائل اور راجح قول میں امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ کی منقطع و مرسل روایت بھی ضعیف کے حکم میں ہی ہے۔(۲۰/ اکتوبر ۲۰۱۰ء)

(مقالات: ٥/ ١٠٨ تا ١١٦)

(۹) اہل حدیث:

جس طرح عربی زبان میں "أهــل السـنة" کا مطلب ہے: سنت والے۔اسی طرح اہل الحدیث کا مطلب ہے: حدیث والے۔

جس طرح سنت والوں سے مراد صحیح العقیدہ سُنی علماء اور اُن کے صحیح العقیدہ عوام ہیں، اسی طرح حدیث والوں سے مراد صحیح العقیدہ محدثین کرام اور ان کے صحیح العقیدہ عوام ہیں۔

یاد رہے کہ اہلِ سنت اور اہلِ حدیث ایک ہی گروہ کے دو صفاتی نام ہیں۔

صحیح العقیدہ محدثین کرام کی کئی اقسام ہیں۔مثلاً

(۱) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم (۲) تابعین عظام رحمہم اللہ (۳) تبع تابعین (۴) اتباع تبع تابعین

(۵) حفاظِ حدیث (٦) راویانِ حدیث (۷) شارحینِ حدیث وغیرہم رحمہم اللہ

صحیح العقیدہ محدثین کے صحیح العقیدہ عوام کی کئی اقسام ہیں۔مثلاً:

۱: بہت پڑھے لکھے لوگ ۲: درمیانے پڑھے لکھے لوگ

۳: تھوڑے پڑھے لکھے لوگ ۴: ان پڑھ عوام

یہ کل (۷+۴) گروہ اہلِ حدیث کہلاتے ہیں اور ان کی اہم ترین نشانیاں درج ذیل ہیں:

۱: قرآن وحدیث اور اجماعِ اُمت پر عمل کرنا۔

۲: قرآن وحدیث اور اجماع کے مقابلے میں کسی کی بات نہ ماننا۔

۳: تقلید نہ کرنا۔

۴: اللہ تعالیٰ کو سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ماننا۔ کما یلیق بشأنه

۵: ایمان کا مطلب دِلی یقین، زبانی قول اور جسمانی عمل ماننا۔

۶: ایمان کی کمی بیشی کا عقیدہ رکھنا۔

۷: کتاب وسنت کو سلف صالحین کے فہم پر سمجھنا اور اس کے مقابلے میں ہر شخص کی بات کو رد کر دینا۔

۸: تمام صحابہ، ثقہ وصدوق تابعین، تبع تابعین واتباع تبع تابعین اور تمام ثقہ وصدوق صحیح العقیدہ محدثین سے محبت کرنا۔ وغیر ذلك (اہل حدیث صفاتی نام ۱۲٤ تا ۱۲٥)

صحیح العقیدہ محدثین کرام اور تقلید کے بغیر، سلف صالحین کے فہم پر کتاب وسنت کی اتباع کرنے والوں کا لقب اور صفاتی نام اہل حدیث ہے۔ (اہل حدیث ایك صفاتی نام، ص: ٤٣)

بعض لوگ اہل حدیث نام سے بہت چڑتے ہیں اور عوام الناس میں یہ مشہور کرنے کی سعی نامراد کرتے ہیں کہ ''یہ نام فرقہ وارانہ ہے چونکہ ہم مسلمان ہیں ہمیں مسلمان ہی کہلانا چاہیے، لہٰذا ہم نے اپنے اسلاف، محدثین اور آئمہ کرام سے متعدد دلائل پیش کیے ہیں کہ اہل حدیث کہلانا نہ صرف جائز ہے بلکہ پسندیدہ بھی ہے اور یہی طائفہ منصورہ ہے۔ (ایضاً، ص: ۲۷)

مسلمانوں کا مہاجرین، انصار اور اہل سنت کی طرح صفاتی نام اور لقب اہل حدیث ہے اور اس لقب کے جواز پر امت مسلمہ کا اجماع ہے کسی ایک امام نے بھی اہل حدیث نام و لقب کو غلط ناجائز یا بدعت ہرگز نہیں کہا لہٰذا بعض خوارج اور ان کے متاثرین کا اہل حدیث نام سے نفرت کرنا اسے بدعت اور فرقہ وارانہ کہہ کر مذاق اڑانا اصل میں تمام محدثین اور امت

مسلمہ کے اجماع کی مخالفت کرنا ہے۔ (ایضاً، ص: ۳۹)

اہل حدیث کا منہج:

اہل حدیث کے نزدیک قرآن مجید، احادیث صحیحہ (علی فہم السلف الصالحین) اور اجماع شرعی حجت ہیں۔ انھیں ادلہ شرعیہ بھی کہا جاتا ہے۔ ادلہ شرعیہ سے اجتہاد کا جواز ثابت ہے اور اجتہاد کی متعدد اقسام ہیں:

۱: کتاب وسنت کے عموم ومفہوم وغیرہما سے استدلال۔

۲: آثار سلف صالحین سے استدلال۔

۳: وہ قیاس جو ادلہ شرعیہ کے مخالف نہ ہو۔

۴: مصالح مرسلہ وغیرہ۔

اہل حدیث کے نزدیک اجتہاد جائز ہے لہٰذا ادلہ شرعیہ ثلاثہ کے استدلال کے بعد دلیل رابع پر بھی عمل جائز ہے بشرطیکہ کتاب وسنت، اجماع اور آثار سلف صالحین کے خلاف نہ ہو دوسرے لفظوں میں اہل حدیث کے نزدیک ادلہ اربعہ درج بالا مفہوم کے ساتھ حجت ہیں۔

(ایضاً، ص ٤٣)

اہل حدیث کے نزدیک صحیح احادیث حجت ہیں چاہے وہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہوں یا سنن ابی داود، سنن الترمذی، سنن النسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبہ اور دیگر کتب حدیث میں صحیح وحسن لذاتہ سند کے ساتھ موجود ہوں۔ ہماری تمام کتابیں بشمول ماہنامہ الحدیث حضرو اس پر گواہ ہیں کہ ہم صحیحین کے ساتھ ساتھ دوسری کتب حدیث کی صحیح روایتوں سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ (ایضاً، ص: ٤٥)

اہل حدیث کے نزدیک قرآن وحدیث اور اجماع کے صریح مخالف ہر قول مردود ہے خواہ اسے بیان کرنے والا یا لکھنے والا کتنا ہی عظیم المرتبت کیوں نہ ہو۔ (ایضاً ص: ٤٧)

اہل حدیث کو نصیحت:

آخر میں عرض ہے کہ اہل حدیث کوئی نسلی فرقہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک نظریاتی جماعت ہے

ہر وہ شخص اہل حدیث ہے جو قرآن و حدیث و اجماع پر سلف صالحین کے فہم کی روشنی میں عمل کرے اور اسی پر اپنا عقیدہ رکھے، اپنے آپ کو اہل حدیث (اہل سنت) کہلانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اب یہ شخص جنتی ہو گیا ہے، اب اعمال صالحہ ترک، خواہشات کی پیروی اور من مانی زندگی گزاری جائے، بلکہ وہی شخص کامیاب ہے جس نے اہل حدیث (اہل سنت) نام کی لاج رکھتے ہوئے اپنے اسلاف کی طرح قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزاری۔ واضح رہے نجات کے لیے صرف نام کا لیبل کافی نہیں ہے بلکہ نجات کا دار و مدار قلوب و اذہان کی تطہیر اور ایمان و عقیدے کی درستی کے ساتھ اعمال صالحہ پر ہے یہی شخص اللہ کے فضل و کرم سے ابدی نجات کا مستحق ہوگا۔ ان شاء اللہ (ایضاً، ص : ٤٠)

(۱۰) ادلہ شرعیہ:

اہل حدیث کے نزدیک قرآن مجید، احادیث صحیحہ (علی فہم السلف الصالحین) اور اجماع شرعی حجت ہیں۔ انھیں ادلہ شرعیہ بھی کہا جاتا ہے۔ ادلہ شرعیہ سے اجتہاد کا جواز ثابت ہے اور اجتہاد کی متعدد اقسام ہیں۔

۱: کتاب و سنت کے عموم و مفہوم وغیرہما سے استدلال۔

۲: آثار سلف صالحین کے استدلال۔

۳: وہ قیاس جو ادلہ شرعیہ کے مخالف نہ ہو۔

۴: مصالح مرسلہ وغیرہ۔

اہل حدیث کے نزدیک اجتہاد جائز ہے لہٰذا ادلہ شرعیہ ثلاثہ سے استدلال کے بعد دلیل رابع پر بھی عمل جائز ہے بشرطیکہ کتاب و سنت، اجماع اور آثار سلف صالحین کے خلاف نہ ہو دوسرے الفاظ میں اہل حدیث کے نزدیک ادلہ اربعہ درج بالا مفہوم کے ساتھ حجت ہے۔

(اہل حدیث ایک صفاتی نام، ص : ٤٣)

(۱۱) تلقی بالقبول:

ہماری تحقیق میں تلقی بالقبول سے مراد تمام امت کا بالاتفاق و بالاجماع قبول کرنا ہے جو

کہ شرعی حجت ہے۔ (فتاویٰ علمیہ: ۲/ ۵۲۶)

(۱۲) صاحب مشکاۃ کا منہج:

صاحب مشکوٰۃ کا رواہ البخاری یا رواہ مسلم وغیرہ کہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ ہو بہو یہ الفاظ اس کتاب میں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ یہ روایت اپنے مفہوم کے ساتھ کتاب مذکور میں بایں الفاظ یا بہ اختلاف الفاظ موجود ہے۔ (اضواء المصابیح : ۱/ ۳۹)

(۱۳) مشاجرات صحابہ:

مشاجرات صحابہ کے بارے میں مکمل سکوت کرنا چاہیے اور عوام الناس کے سامنے انھیں کبھی بیان نہیں کرنا چاہیے الا یہ کہ صحابہ کرام کا دفاع کیا جائے اور شبہات کا ازالہ کیا جائے۔

(حاشیہ اختصار علوم الحدیث، ص : ۱۱٤)

(۱۴) اسم نبوی کے ساتھ ''ص'' یا ''صلعم'' لکھنا:

جو لوگ صرف ''ص'' یا ''صلعم'' وغیرہ لکھتے ہیں ان کا یہ عمل غلط ہے۔ فائدہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے نام کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا ثابت نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین اور محدثین وعلماء آپ کے نام کے ساتھ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھتے تھے جیسا کہ حدیث کی کتابوں اور قدیم ترین مخطوطات سے ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فینزل عیسٰی ﷺ ...... الخ۔ دیکھئے صحیح مسلم (درسی نسخہ ج ۲، ص: ۳۹۲، ح: ۲۸۹۷، عربی نسخہ ج ۴، ص: ۲۲۲۱، مطبوعہ دارالسلام ص: ۱۲۵۴)۔ (حاشیہ اختصار علوم الحدیث، ص : ۸۷)

(۱۵) قرات سبعہ:

متواتر حدیث سے ثابت ہے کہ قرآن مجید سات قراءتوں پر نازل ہوا ہے۔ (صحیح بخاری کا دفاع ص ۱۵۱) اور یہ قراءتیں متواتر ہیں۔ (ایضاً ص ۱۵۳) قرآن مجید کی سات قراءتیں بطریقہ روایت نبی ﷺ سے ثابت ہیں جبکہ فقہی چار مذاہب کے اندر بہت سا حصہ آئمہ اور متبوعین آئمہ کی آراء، قیاسات و اجتہادات پر مشتمل ہے۔ رائے اور روایت میں

زمین آسمان کا فرق ہے۔ مثلاً ایک سچا آدمی ''الف'' ہے وہ ''ب'' کے پاس جا کر اسے کہتا ہے کہ مجھے آپ کے والد صاحب نے کہا ہے کہ میرے بیٹے کو کہو فوراً گھر آ جائے۔ یہ روایت ہے۔ ''ب'' اس کی روایت مان کر فوراً گھر چلا جاتا ہے تو ''ب'' نے اپنے والد کی اطاعت کی ہے۔ الف کی تو صرف روایت مانی ہے یہی الف اپنے دوست ب سے کہتا ہے: آئیں بازار جا کر کچھ شاپنگ (خریداری) کرتے ہیں۔ یہ الف کی رائے ہے اب اس کی مرضی ہے مانے نہ مانے۔

شریعت اسلامیہ میں سچے راوی کی روایت ماننے کا حکم ہے جبکہ ایک شخص کی رائے کا ماننا دوسری شخص پر ضروری نہیں ہے۔ حنفی حضرات، امام شافعی وغیرہ کی آراء واجتہادات نہیں مانتے صرف اپنے مفتٰی بہا اقوال ہی تسلیم کرنے کے دعویدار ہیں۔ صحیح السند قراءتوں میں سے کسی ایک قراءت کا انکار بھی کفر ہے جبکہ کسی غیر نبی کی صحیح السند رائے کا انکار نہ کفر ہے اور نہ گمراہی بلکہ جائز ہے۔ (دین میں تقلید کا مسئلہ، ص ۸۷، ۸۸)

قرآن کا سات حرفوں میں نازل ہونا بالکل برحق ہے۔ (اضواء المصابیح : ۱/ ۳۰۱)

(۱۷) محکم ومتشابہ:

محکم اس آیت کو کہتے ہیں جو ظاہر اور واضح ہو، اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہ ہو، مثلاً حلال وحرام، وعد و وعید، عذاب وثواب اور امر و نہی وغیرہ۔

متشابہ اس آیت کو کہتے ہیں جس میں مختلف معانی کا احتمال ہو مثلاً حروف مقطعات وغیرہ بعض اہل بدعت یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا، آسمان دنیا پر نازل ہونا اور آیات صفات وغیرہ متشابہات میں سے ہیں۔ اہل بدعت کا یہ دعویٰ مردود ہے اور سلف صالحین سے بھی ایسی کوئی بات ثابت نہیں ہے۔ (اضواء المصابیح : ۱/ ۲۰۷)

(۱۸) سند:

دین کا دارومدار سندوں پر ہے لہٰذا ہر بے سند بات مردود ہے۔ (اضواء : ۱/ ۳۲۸)

(۱۹) بیعت:

کتاب وسنت کے دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں بیعت صرف دوقسم کی ہے: (۱) نبی کی بیعت (۲) خلیفہ کی بیعت۔

یاد رہے کہ جوصوفی حضرات اپنے پیروں کی بیعت وغیرہ کرتے ہیں اس کا ثبوت کتاب وسنت میں نہیں ہے یہی صوفیانہ بیعتوں والے کبھی خلیفہ اور کبھی خلیفہ مجاز اور کبھی مہدی کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) اسی طرح پارٹیوں کی بیعتیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ یہ سب بیعت بدعت یعنی مردود ہیں۔ (اضواء المصابیح : ۱/ ۵۰)

(۲۰) تقدیر:

تقدیر پر ایمان لانا قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے اجماع سے ثابت ہے۔ تقدیر پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو ہوا ہے جو ہو رہا ہے اور جو ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت میں ہے اور اس نے اسے تخلیق کائنات سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ رکھا ہے جو شخص خیر والا راستہ اختیار کرے گا تو اللہ نے اس کے لیے اپنے فضل وکرم سے جنت تیار کر رکھی ہے اور جو شخص شر والا راستہ اختیار کرے گا تو اللہ نے اس کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ (اضواء المصابیح : ۱/ ۱۷۱)

مخلوق کو وہی چیز حاصل ہوتی ہے جو اس کی تقدیر میں لکھی ہوئی ہے۔ (ایضاً : ۱/ ۱۲۶)

تقدیر پر ایمان لانا فرض اور رکن ایمان ہے جو لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں وہ اہل بدعت اور گمراہ ہیں۔ (ایضاً : ۱/ ۳۰)

تقدیر کے سلسلے میں اہل ایمان کا باہمی اختلاف جائز نہیں۔ (ایضاً : ۱/ ۳۰۰)

امام احمد بن حنبل یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تقدیر کے منکر کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے اور نہ اس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے۔ (دیکھیے کتاب السنة للخلال: ۹۴۸ وسندہ صحیح)
(ایضاً : ۱/ ۱۲۶)

(۲۱) الجماعة:

الجماعة سے مراد وہ لوگ ہیں جو عقائد واعمال وغیرہما میں جماعت صحابہ کے موافق ومطابق ہیں۔ انھیں اہل سنت والجماعت اور اہل حدیث وغیرہ کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ کتاب و سنت اور اجماع والے راستے پر گامزن تھے اور ہیں اور یہی طائفہ منصورہ ہیں۔

(اضواء المصابیح : ۱/ ۲۳۳)

(۲۲) سوادِ اعظم:

فرقہ ناجیہ السواد الاعظم کو قرار دیا گیا ہے اور حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ میں الجماعة کا لفظ ہے۔ ان سب سے مراد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی جماعت حقہ ہے اور یہی السواد الاعظم ہے۔ (نیز دیکھئے کتاب الشرعیة للآجری، ص : ١٤ ، ١٥ ، دوسرا نسخه ، ص : ١٧)

خیر القرون گزر جانے کے بعد شر القرون میں بعض مبتدعین کا اپنے آپ کو سوادِ اعظم قرار دینا اسی طرح غلط ہے جس طرح ایک صحیح العقیدہ مسلمان بہت سے گمراہوں کے اکثریتی علاقے میں رہ رہا ہو اور اکثریتی لوگ اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہوں۔

(اضواء المصابیح : ۱/ ۱۹۵)

سواد اعظم سے مراد حق اور اہل حق ہیں۔ دیکھیے السنة لابن ابی عاصم (حدیث ٨٤)...... (ایضاً : ۱/ ۲۳٦)

(۲۳) الحاد:

حرم (مکہ یا مدینہ) کی بے حرمتی کرنے کو الحاد فی الحرم کہتے ہیں اور اسی طرح بے دینی، کفر اور مذہب سے بیزاری کو بھی الحاد کہا جاتا ہے۔ دیکھیے القاموس الوحید (ص : ١٤٥٧)، (اضواء المصابیح : ۱/ ۱۹٦)

☆......☆......☆

تقلید کیا ہے؟

مولانا ابراہیم ربانی (بدین، سندھ)

لفظ تقلید کو کئی معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بعض علماء کی طرف سے اتباع کو بھی تقلید کہا گیا ہے وہاں پر لغوی تقلید مراد ہے جبکہ اصطلاحی تقلید ان کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ حنفیہ جس تقلید کے قائل و فاعل ہیں وہ اصطلاحی تقلید ہے، مقلدین کی جانب سے علماء امت کے ایسے اقوال کو اپنی تقلید کے حق میں پیش کرنا ظلم عظیم ہے، ائمہ عظام ایسی تقلید سے بری ہیں۔

حدیث کی طرف رجوع اتباع کہلاتا ہے بعض ائمہ نے اسے تقلید کہہ دیا ہے جیسا کہ امام طحاوی نے فرمایا: "فذهب قوم إلى هذا الحديث فقلدوه" پس ایک قوم اس حدیث کی طرف گئی ہے، پس انہوں نے اس حدیث کی تقلید کی ہے۔ (شرح معانی الآثار ٤/ ٣)

اور اسی طرح شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: وجمهور المجتهدين لايقلدون إلا صاحب الشرع . جمہور مجتہدین رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کی بھی تقلید نہیں کرتے تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ١/١٥٢)

بعض نے عامی کا اہل علم سے سوال کرنے پر بھی اسی لفظ کا اطلاق کیا ہے جیسا کہ امام خطیب بغدادی وغیرہ نے علماء سے سوال کو بھی تقلید کہہ دیا ہے۔ (الفقیه والمتفقه ٢/ ١٣١)

اسی طرح بعض کی طرف سے اجماع امت کے ماننے کو بھی تقلید کہا گیا ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فإن علم أن مقلده مصيب كتقليد الرسول أو أهل الإجماع فقد قلده بحجة وهو العلم بأنه عالم وليس هو التقليد المذكور وهذا التقليد واجب؛ للعلم بأن الرسول معصوم؛ وأهل الإجماع معصومون . اگر مقلد کو یقین ہو کہ وہ جس کی تقلید کر رہا ہے وہ حق پر ہے جیسے رسول اللہ ﷺ اور اہل اجماع کی تقلید کرنا تو گویا کہ اس نے دلیل کی تقلید کی ہے اور وہ علم

ہے، یہ مذکورہ (مروجہ) تقلید نہیں ہے اور یہ تقلید (یعنی حدیث اور اجماع کو ماننا) واجب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ معصوم ہیں اور اہل الاجماع بھی معصوم ہیں۔

(مجموع الفتاوٰی ۲۰/ ۱٦)

فائدہ:...... علامہ ابن تیمیہ کی مذکورہ عبارت کو منظور مینگل صاحب نے اپنی تقلید کے حق میں پیش کیا ہے۔ (تحفة المناظر ، ص : ۱۱۰) اور آدھی عبارت پیش کی ہے، ہم نے مکمل عبارت پیش کر دی ہے اور یہ بھی معلوم رہے کہ اس عبارت سے ایک دوصفحہ پہلے علامہ ابن تیمیہ مروجہ تقلید کا بتفصیل رد کر آئے ہیں وہ مینگل صاحب کو نظر ہی نہیں آیا۔

نیز کتاب وسنت کی تشریح میں سلف صالحین کے آثار کی پیروی کرنے کو بھی بعض اہل علم نے تقلید کہا ہے۔ (مجموع الفتاویٰ : ۲۰/ ۹)

حقیقت یہ ہے کہ حدیث اور اجماع امت کے ماننے، سلف صالحین کے آثار کی پیروی کرنے اور عامی کا اہل علم سے مسائل دریافت کرنے کو تقلید کا نام دینا درست نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث کو ماننا اتباع کہلاتا ہے نہ کہ تقلید، جیسا کہ ابواسحاق ابراہیم بن علی الشیرازی رحمہ اللہ (المتوفی ٤٧٦ھ) نے فرمایا: ”ولا یلزم قبول قول النبي علیہ السلام لأن ذلك لیس بتقلید لأن التقلید قبول قول الغیر حجة وقول رسول اللّٰه ﷺ حجة.

نبی اکرم ﷺ کی بات قبول کرنے سے تقلید لازم نہیں آتی کیونکہ تقلید غیر نبی کی بات کو دلیل سمجھ کر قبول کیا جاتا ہے جبکہ نبی اکرم ﷺ کی بات بذات خود دلیل ہے۔

(التبصرة فی أصول الفقه ، ص : ٤٠٤)

جناب اشرف علی تھانوی صاحب نے کہا: تقلید کہتے ہیں امتی کا قول ماننا بلا دلیل۔ اللہ اور رسول کا حکم ماننا تقلید نہیں کہلائے گا وہ اتباع کہلاتا ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ۳/ ۱٥۹)

اس پر مستزاد یہ کہ تقلید بغیر دلیل کے ہوتی ہے جیسا کہ اس کی تعریف سے واضح ہے جبکہ حدیث بذات خود دلیل ہے۔

اور اسی طرح عامی کا علماء سے مسائل پوچھنا حکم الٰہی کے تحت واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل: ۴۳) یہی بات ائمہ حدیث بلکہ علماء احناف نے بھی فرمائی ہے۔ حنفی اصول فقہ کی مشہور و معتبر کتاب ''مسلم الثبوت'' میں لکھا ہوا ہے: فالرجوع الى النبي عليه الصلاة والسلام أو إلى الإجماع ليس منه وكذا العامي إلى المفتي والقاضي الى العدول لايجاب النص ذٰلك عليهما . پس نبی اکرم ﷺ کی طرف (یعنی حدیث کا ماننا) اور اجماع کی طرف رجوع کرنا اس (تقلید) میں سے نہیں ہے، اسی طرح عامی کا مفتی کی طرف اور قاضی کا گواہوں کی طرف رجوع (تقلید میں سے نہیں ہے) کیونکہ اسے نص (کتاب و سنت کی دلیل) نے واجب کیا ہے۔ (ص: ۲۸۹)

یعنی حدیث کو ماننے، علماء سے سوال کرنے اور گواہوں کی گواہی ماننے کو تقلید نہیں کہا جاتا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رواۃ پر جرح کو تسلیم کرنا بھی تقلید نہیں ہے کیونکہ یہ بھی گواہی ہے) یہی بات دیگر علماء احناف مثلاً علامہ ابن ہمام، ابن امیر الحاج، محمد بن عبد الرحمٰن الجرجانی، قاضی محمد اعلیٰ تھانوی وغیرہ نے بھی کہی ہے حوالہ جات کے لیے محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کی کتاب ''دین میں تقلید کا مسئلہ'' (ص ۸ تا ۱۲) کی طرف رجوع کریں۔

علاوہ ازیں جناب سرفراز صفدر صاحب مسلم الثبوت کی بالا عبارت کی وضاحت میں لکھتے ہیں: اس عبارت سے واضح ہوا کہ اصطلاحی طور پر تقلید کا یہ مطلب ہے کہ جس کا قول حجت نہیں اس کے قول پر عمل کرنا، مثلاً: عامی کا عامی کے قول اور مجتہد کا مجتہد کے قول کو لینا جو حجت نہیں ہے بخلاف اس کے آنحضرت ﷺ کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں کیونکہ آپ کا فرمان حجت ہے اور اسی طرح اجماع بھی حجت ہے اور اسی طرح عام آدمی کا مفتی کی طرف رجوع کرنا ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کے تحت واجب ہے اور اسی طرح قاضی کا ﴿مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ﴾ اور ﴿يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ کی نصوص کے تحت عدول کی طرف رجوع کرنا بھی تقلید نہیں ہے کیونکہ شرعاً ان کا قول حجت

ہے۔(الكلام المفيد، ص: ٣٥، ٣٦)

بریلوی مکتب فکر کے مشہور عالم جناب غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں: شیخ ابواسحاق نے کہا: بلا دلیل قول قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا تقلید ہے۔لیکن رسول اللہ ﷺ کے قول کی طرف رجوع کرنا یا مجتہدین کے اجماع کی طرف رجوع کرنا، یا عام آدمی کا مفتی کی طرف رجوع کرنا یا قاضی کا گواہوں کے قول پر فیصلہ کرنا تقلید نہیں ہے۔(شرح صحیح مسلم:۳/۳۲۹)

بریلوی مکتب فکر کے دوسرے مشہور عالم جناب احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں: مسلم الثبوت میں ہے:التقليد العمل بقول الغير من غير حجة . ترجمہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوا، اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ان کا قول وفعل دلیل شرعی ہے۔لہٰذا ہم حضور علیہ السلام کے امتی کہلائیں گے نہ کہ مقلد، اسی طرح صحابہ کرام وائمہ دین حضور علیہ السلام کے امتی ہیں نہ کہ مقلد، اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا کیونکہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا ان کے کام کو اپنے لیے حجت نہیں بناتا بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات مانتا ہے کہ مولوی آدمی ہیں کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے۔(جاء الحق: ١/ ١٦)

ان عبارات سے چار باتیں ثابت ہوتی ہیں: (۱) رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنا (یعنی حدیث کو ماننا) تقلید نہیں ہے۔(۲) اجماع امت کو ماننا تقلید نہیں ہے۔(۳) جاہل کا عالم سے مسئلہ پوچھنا تقلید نہیں ہے۔(۴) قاضی کا گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کرنا تقلید نہیں ہے۔

اہل تقلید بھی دینی مسائل اپنے علماء ہی سے پوچھتے ہیں اس کے باوجود اپنے آپ کو اپنے علماء ومفتیان کا مقلد نہیں کہلواتے بلکہ حنفی ہی کہلوانے پر مصر ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی علماء سے سوال کرنا تقلید نہیں ہے۔محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض لوگ غلطی اور غلط فہمی کی وجہ سے اسے (یعنی علماء سے سوال کرنے کو) تقلید کہتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ایک جاہل آدمی جب تقی عثمانی دیوبندی یا غلام رسول سعیدی

بریلوی سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرتا ہے تو کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ یہ شخص تقی عثمانی کا مقلد (تقی عثمانوی) یا غلام رسول کا مقلد (غلام رسولوی) ہے۔ (دین میں تقلید کا مسئلہ ، ص : ۲۱)

اسی طرح فوت شدہ علماء و محدثین سے کتاب و سنت کی تشریح وتفصیل اور اجتہادی مسائل کا حل اخذ کرنے کو بھی بعض نے لغوی طور پر تقلید کہا ہے اسے بعض تقلید مطلق کا نام دیتے ہیں، لیکن ہم اسے تقلید نہیں کہتے۔ یہ بھی ہمارا ان (خطیب بغدادی، ابن تیمیہ وغیرہ) سے لفظی اختلاف ہے کیونکہ کتاب و سنت کی تفہیم میں ائمہ سلف و اکابرین امت (صحابہ، تابعین وائمہ دین) کا ہی فہم معتبر ہے اسی کی پرچار علماء اہل حدیث کرتے ہیں، یہی مسلک اہل حدیث ہے۔ الحمدللہ

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اتباع سلف کے مامور ہیں، تقلید سلف کے مامور نہیں ہیں، تقلید اور اتباع میں بہت فرق ہے تقلید محض قول بلامعرفہ دلیل قبول کرنے کا نام ہے اور اتباع علی وجہ البصیرت قبول کرنے کا نام ہے۔ (ملاحظہ ہو: اعلام الموقعین ، تقلید شخصی وسلفی، ص: ۴۲)

عامی بھی اجتہاد کرے گا، عامی کا اجتہاد (حق تک پہنچنے کی کوشش) علماء حق سے سوال کرنا ہے اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ اجتہاد کے بہت سے درجات ہیں، عامی کا اجتہاد علماء سے سوال کرنا اور کتاب وسنت کی دلیل طلب کرنا ہے اور دلیل کا مطالبہ کرنا تقلید نہیں ہے۔

امام شیرازی رحمہ اللہ نے فرمایا: "قلنا إنما استوى العامي والعالم في العقليات لأنهما متساويان في آلة الإجتهاد فيها وطلب الدليل عليها" ہم کہتے ہیں کہ عقلیات میں عالم اور عامی برابر ہیں کیونکہ اس میں ان کے ملکہ اجتہاد میں برابر ہے اور دلیل کا مطالبہ کرنے کی صلاحیت بھی برابر ہے۔ (التبصرة : ٤٠٥)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "والعامي والعالم في ذلك سواء وعلى كل أحد حظه الذي يقدر عليه من الإجتهاد" عالم اور عامی (دونوں) اس بارے

میں برابر ہیں، ہر ایک اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق اجتہاد کرے گا۔

(النبذة الکافیة، ص ۷۲)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "وأما أن يقول قائل إنه يجب على العامة تقليد فلان أو فلان فهذا لا يقوله مسلم" اور اگر کوئی کہنے والا کہے کہ عوام پر فلاں یا فلاں کی تقلید واجب ہے تو یہ قول کسی مسلمان کا نہیں ہے۔

(مجموع الفتاویٰ: ۲۲/ ۲۴۹)

یمن کے مشہور عالم علامہ ابوعبدالرحمٰن مقبل بن ہادی المدخلی (المتوفی ۱۴۲۲ھ) فرماتے ہیں: "فالتقليد لا يجوز، والذين يبيحون تقليد العامي للعالم نقول لهم: أين الدليل؟ ثم هل العامة أكثر أم العلماء؟" تقلید جائز نہیں ہے اور جو لوگ عامی کے لیے تقلید کو جائز کہتے ہیں ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ اس کی دلیل کہاں ہے؟ پھر کیا عامی زیادہ ہیں یا علماء؟ (تحفة المجيب على أسئلة الحاضر والغريب، ص: ۲۰۶)

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں: "وقال النووي الذي يقتضيه الدليل أنه لا يلزمه المتذهب بمذهب بل يستفتي من شاء" نووی فرماتے ہیں دلیل اس بات کا متقاضی ہے کہ عامی پر کسی بھی (فقہی) مذہب کی پابندی نہیں ہے، بلکہ اس کی مرضی ہے جس (عالم) سے چاہے مسئلہ پوچھ لے۔ (عقد الجيد، ص ۳۱)

مزید کہا: "أن العامي لا مذهب له" عامی کا کوئی فقہی مذہب نہیں ہوتا۔" (ص: ۳۵)

یعنی شاہ ولی اللہ کے نزدیک عامی تقلید شخصی نہیں کرے گا بلکہ مختلف اہل علم سے مسائل پوچھ کر عمل کرے گا۔

محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جاہل آدمی پر یہ ضروری ہے کہ وہ کتاب وسنت کے صحیح العقیدہ عالم سے مسئلہ پوچھ کر اس پر عمل کرے لیکن اسے تقلید کہنا غلط ہے۔ (دین میں تقلید کا مسئلہ، ص: ۱۲۱)

مقلدین سے سوال: مروجہ تقلید کے قائلین کا کہنا ہے کہ عقائد، ایمانیات اور ضروریات

دین میں تقلید جائز نہیں ہے جیسا کہ مفتی تقی عثمانی صاحب نے فرمایا: اور دین کے بنیادی عقائد میں تقلید ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں ہے تمام اصول فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ تقلید عقائد اور ضروریات دین میں نہیں ہوتی کیونکہ یہ اجتہاد کا محل ہے نہ تقلید کا۔

(تقلید کی شرعی حیثیت، ص:۱۱۶)

ثابت ہوا کہ مقلدین کے نزدیک بھی عقائد اور ضروریات دین میں تقلید جائز نہیں ہے تو کیا عقائد اور ضروریات دین پر مشتمل مسائل علماء سے نہیں پوچھے جائیں گے؟ جب یہ مسائل بھی عوام علماء ہی سے پوچھے گی اور اس کے باوجود مقلد نہیں بنتی تو فروعی مسائل میں کیونکر مقلد بنے گی؟ اگر سوال کرنا ہی تقلید ہے تو مذکورہ مسائل کے بارے میں سوال کرنے پر پابندی عائد کردیجیے۔

کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے؟

جناب امین اوکاڑوی صاحب لکھتے ہیں: شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں: ۳۰۰ھ کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا اور امام نووی نے بھی شرح مہذب میں یہی فرمایا ہے۔ اب مجتہد مطلق کا آنا نہ تو محال شرعی ہے نہ ہی محال عقلی، ہاں محال عادی ہے لیکن وہ آ کر کیا کرے گا؟ (تجلیات:۳/۳۸۳)

اجتہاد کے باقی رہنے پر علامہ جلال الدین سیوطی نے ایک مستقل رسالہ "الرد علی من أخلد إلی الأرض" لکھا ہے۔

اسی کتاب میں امام ذہبی سے نقل کرتے ہیں: اے مقلدو اجتہاد کے باقی نہ رہنے کا گمان رکھنے والو! تمہیں اصول فقہ پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اصول فقہ پڑھنے کا تو فائدہ صرف اس شخص کو ہوتا ہے جو مجتہد بن سکے اگر کوئی شخص اصول فقہ جاننے کے باوجود اپنے آپ کو تقلیدی قید سے آزاد نہیں کرتا تو اس نے کچھ بھی نہیں کیا بلکہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ مشقت میں ڈالا اور اگر اس علم کو تنخواہ داری کے لیے حاصل کیا گیا ہے تو یہ بہت بڑا وبال ہے۔

(الرد علی من أخلد إلی الارض ص ۱۵۳)

لفظی نزاع:

رہی بات ان اہل علم کی جنھوں نے اتباع کی جگہ لغۃً یا مجازاً لفظ تقلید کا استعمال کیا ہے تو ان سے ہمارا لفظی نزاع ہے نہ کہ حقیقی، جیسا کہ جناب امین اوکاڑوی صاحب، اہل حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب سے اپنی تائید میں نقل کرتے ہیں: جو اس وقت کے بعض علماء نے کہا ہے کہ کتاب وسنت کا حکم پوچھ کر اس پر عمل کرنا تقلید نہیں بلکہ اتباع ہے یہ ایک لفظی نزاع ہے۔ (تجلیات صفدر: ۳/۵۰۴)

اسی طرح جناب سرفراز صفدر صاحب نے لکھا: اور اگر جاہل کے لیے لاعلمی کے وقت دینی مسائل میں اہل علم کی طرف رجوع کر کے ان کی بات کو تسلیم کرنا مراد ہے تو اس کو ممنوع قرار دینا قرآن وحدیث کی کھلی بغاوت اور صریح جسارت ہے اور کسی بھی مسلک کا کوئی بھی عالم اس کی جرأت نہیں کرسکتا۔ (الکلام المفید، ص: ۳٤)

یعنی عامی کا اہل علم سے سوال کرنے پر اتفاق ہے لیکن وہ (خطیب بغدادی وغیرہ) اسے تقلید کہتے ہیں اور ہم تقلید نہیں کہتے۔ ثابت ہوا کہ یہ محض لفظی اختلاف ہے اور لفظی نزاع پر مناظرہ ومباحثہ نہیں کیا جاتا کیونکہ اس (لفظی) نزاع کی وجہ سے نتیجہ میں فرق نہیں پڑتا، اس طرح کا نزاع ہر دور میں رہا ہے البتہ نزاع معنوی کی وجہ سے نتیجہ میں فرق پڑ جاتا ہے۔ یہی بات اکابرین احناف نے کہی ہے۔

مشہور حنفی عالم علامہ عینی رحمہ اللہ فرض اور واجب میں فرق کے بارے میں کہتے ہیں: "ای لا فرق بین الواجب والفرض، لکن هذا نزاع لفظي...... هذا إصطلاح، ولا مشـاحة فـي الإصطلاح" یعنی واجب اور فرض میں فرق نہیں ہے لیکن (ان میں فرق کرنا) لفظی اختلاف ہے۔ یہ اصطلاح اور اصطلاحات میں مباحثہ نہیں کیا جاتا۔

(البنایه: ۳/ ٤٨٢)

دیوبندیہ کے شیخ الاسلام جناب مفتی تقی عثمانی صاحب لفظ "تمتع" کے بارے میں کہتے ہیں: اس سے یہ مراد نہیں کہ آپ نے تمتع اصطلاحی کیا تھا بلکہ یہاں تمتع سے جمع بین الحج

والعمرۃ یعنی قران مراد ہے۔ (درس ترمذی:۳/۷۸)

معلوم ہوا جب بھی کسی لفظ کو لغوی معنی میں استعمال کیا جائے تو وہاں پر لغوی معنی ہی مراد ہوگا نہ کہ اصطلاحی۔ اسی طرح بعض ائمہ نے لفظ تقلید کو لغوی معنی میں استعمال کیا ہے جو کہ اصطلاحی تقلید نہیں ہے۔ مفتی موصوف کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں: لیکن حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت یہ نزاع لفظی ہے حقیقی نہیں۔ لہٰذا حقیقی اختلاف کوئی نہ رہا اس لیے یہ نزاع لفظی ہے۔ (تقریر ترمذی:۱/۱۵۵)

اسی طرح مفتی صاحب وتر کے وجوب و عدم وجوب پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں: اور حقیقت یہ ہے کہ یہ اختلاف عملاً لفظی جیسا ہے لہٰذا دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

(درس ترمذی:۲/۱۸۹)

فائدہ:...... مفتی تقی عثمانی صاحب کا اسے لفظی نزاع کہنا غلط ہے، دیوبندی مکتب فکر ہی کے عالم کمال الدین المسترشد (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی) نے لکھا: بعض نے اس کو نزاع لفظی قرار دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ نزاع معنوی ہے۔ (تشریحات ترمذی:۲/۳۱۳)

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ بات آ رہی ہو کہ جب ہمارا ان اہل علم سے محض لفظی اختلاف ہے، حقیقی نہیں ہے، تو تقلید ممدوح کو تسلیم کرنے میں کیا حرج ہے؟ تو عرض ہے کہ ہمارے نزدیک لفظ تقلید ہی مذموم ہے، اس کی وجوہ یہ ہیں:

(۱) لفظ تقلید ثابت نہیں ہے۔ قرآن اور سنت میں اتباع کو تقلید نہیں کہا گیا اور صحابہ میں سے بھی کسی نے ایسا کچھ نہیں فرمایا بلکہ ان میں سے تو بعض نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا "لا تقلدوا دینکم" (دین میں تقلید نہ کرو)۔ [السنن الکبری للبیهقی : ۲/ ۱٦ ، عن ابن مسعود۔ وإسناده صحیح ، وعن معاذ ، کتاب الزهد لوکیع برقم : ۷۱ وإسناده حسن]

(۲) موجودہ مقلدین کا تقلیدی جمود اس سے مانع ہے کیونکہ مقلدین اسی (تقلید ممدوح) کی آڑ میں تقلید مذموم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

چنانچہ شیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ فرماتے ہیں: تقلید ممدوح کے غلط ہونے کی دوسری وجہ

یہ ہے کہ اس کے جواز سے مقلدین تقلید جامد اور تقلید شخصی کو جائز قرار دے کر غلط فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے مذہب کی خاطر قرآن و حدیث میں تاویلیں کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں اگر کوئی اس رویے پر اعتراض کرے تو تقلید ممدوح کا حوالہ دے کر بڑے فخر سے اپنے آپ کو متبع سنت گرداننا شروع کر دیتے ہیں یوں مقلدین غلط کام کو اچھے نام سے موسوم کر کے جائز ثابت کرنے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔

(حقيقة التقليد، ص : ١١)

(۳) مقلدین کے ساتھ مشابہت۔ اہل تقلید قول امام کی وجہ سے کتاب وسنت کا انکار کر دیتے ہیں تو اسی تقلید کو تسلیم کرنے سے ان کی مشابہت لازم آتی ہے جو کہ درست نہیں ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ ان میں سے ہے۔'' (سنن أبي داود، ح : ٤٠٣١ وإسناده حسن)

☆......☆......☆

''جنت ماں کے قدموں کے پاس ہے''

(ابو عبدالرحمٰن قصوری)

معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں جہاد میں شریک ہونے کے لیے آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ((هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ؟)) ''کیا تمھاری ماں (زندہ) ہے؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ((فَالْزَمْهَا ، فَإِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلَيْهَا)) ''جاؤ، ان کے پاس رہو، کیونکہ جنت اس کے قدموں کے پاس ہے۔'' (سنن النسائي، ح : ٣١٠٦۔ مسند أحمد : ٣/ ٤٢٩۔ شعب الإيمان، ح : ٧٨٣٣، واسناده صحيح)

خطیبانہ انداز

نماز کی اہمیت

(دنیوی فوائد)

محمد ارشد کمال

﴿ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ؕ وَ لَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ ﴾

(العنکبوت : ٤٥)

برادرانِ اسلام! پچھلے خطبہ میں آپ نے نماز کی اہمیت کے سلسلے میں اس کی چند خصوصیات سماعت کی تھیں۔ آج ان شاء اللہ اس کے چند دنیوی فوائد بیان کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں یہ فوائد حاصل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

نماز کے دنیوی فوائد:

(۱) قلبی سکون: نماز پڑھنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان کو دلی سکون مل جاتا ہے۔ آج ہم بے سکونی کا رونا روتے ہیں، غریب بھی یہی رونا روتا ہے کہ سکون نہیں مل رہا اور امیر کا بھی یہی رونا ہے، بادشاہ اور گداگر سبھی یہی رونا روتے ہیں کہ زندگی میں سکون نہیں مل رہا۔ آؤ! نماز کی پابندی کرلو سکون مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِکْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝ ﴾ (الرعد : ۲۸)

”جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں، خبردار! اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔“

اس آیت سے پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان اور سکون ملتا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ نماز بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ سورہ العنکبوت میں ہے:

﴿ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ

﴿الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝﴾

(العنكبوت : ٤٥)

''اور نماز قائم کرو بے شک نماز فحاشی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔''

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے نماز کو ''ذکر'' کہا ہے۔

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف نازل ہونے والی پہلی وحی میں تھا:

﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝﴾ (طٰهٰ : ١٤)

''بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا میری ہی عبادت کر اور میرے ذکر کے لیے نماز قائم کر۔''

معلوم ہوا کہ نماز بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝﴾

☆ جناب عبداللہ بن محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے والد انصاریوں میں ہمارے سسرالیوں کے ہاں گئے، نماز کا وقت ہوگیا تو (ان میں ایک شخص) نے کہا: اے لڑکی! وضو کے لیے پانی لاؤ شاید میں نماز پڑھ لوں اور مجھے سکون مل جائے۔ (عبداللہ بن محمد) کہتے ہیں: ہم نے ان کا یہ جملہ ناپسند کیا تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: ((قُمْ يَا بِلَالُ! فَأَرِحْنَا بِالصَّلَاةِ)) ''بلال! اٹھو اور ہمیں نماز کے ذریعے راحت پہنچاؤ۔'' (مسند أحمد : ٥/ ٣٧١ ، سنن أبي داوٗد، ح : ٤٩٨٦ ، صحيح)

(۲) برے کاموں سے اجتناب: نماز کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ انسان کو انسان بناتی ہے، انسان ناشائستہ کاموں اور بری حرکتوں سے باز آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝﴾

(العنكبوت : ٤٥)

''کتاب میں سے جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے اس کی تلاوت کریں اور نماز قائم کریں بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ہمیں بتا دیا ہے کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ جو بندہ نماز کو نماز سمجھ کر پڑھتا ہے، اس کے ارکان و شروط اور خشوع وخضوع کا خیال رکھتے ہوئے مسنون طریقے سے نماز ادا کرتا ہے، حضورِ قلبی کے ساتھ اس میں دعائیں مانگتا ہے تو یقین کرو کہ نماز اسے برے کاموں سے روک دیتی ہے۔ اگر نماز پڑھ کر بھی انسان برے کاموں سے نہیں بچ رہا، فحاشی، بے حیائی اور برائی کو نہیں چھوڑ رہا تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اس کی نماز وہ نماز نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نماز کہا ہے، نماز تو ہوتی ہی وہ ہے جو بندے کو غلط کاموں سے بچاتی ہے، اس کی نماز میں ضرور کوئی ایسی خامی ہے جس کی وجہ سے نماز کے صحیح نتائج برآمد نہیں ہو رہے۔ لہٰذا اسے اپنی نماز کی اصلاح کرنی چاہیے۔

(۳) قتل سے بچاؤ: نماز کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ انسان کے ایمان اور مسلمان ہونے کی دلیل ہے۔ جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (التوبة : ۵)

''پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں بھی پاؤ قتل کرو، انہیں گرفتار کرو ان کا محاصرہ کرلو اور ان کی تاک میں ہر گھاٹی میں بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو تم ان کی راہ چھوڑ دو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا بے حد رحم والا ہے۔''

جن مشرکین نے مسلمانوں سے کیے ہوئے اپنے عہد و پیمان کی پاسداری نہیں کی اور

مسلمانوں کے خلاف دوسروں کی مدد کی تھی، ان کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان سے جنگ کرو اور آگے فرمایا کہ اگر وہ اپنے کفر سے باز آ جائیں، اسلام قبول کر لیں، نماز کی پابندی کرنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو پھر انہیں قتل نہ کرو کیونکہ اب وہ تمہارے دینی بھائی بن گئے ہیں، لہٰذا اپنی تلواریں ان سے روک لو اور انہیں قتل نہ کرو۔ گویا نماز قتل میں رکاوٹ ہے نمازی کو قتل کرنا جائز نہیں، نماز قتل سے بچاتی ہے۔

☆ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ.))

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں اس وقت تک جب تک وہ اس بات کا اقرار نہ کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، جس وقت وہ یہ کام کرنے لگیں تو انہوں نے اپنے جان و مال مجھ سے محفوظ کر لیے سوائے اسلام کے حق کے، (رہا ان کے دل کا معاملہ تو) ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔'' (صحيح البخاري، ح : ٢٥)

☆ سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال تقسیم کیا تو ایک شخص اعتراض کرتے ہوئے کہنے لگا: اللہ کے رسول! اللہ سے ڈریے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَيْلَكَ، اَوَ لَسْتُ اَحَقَّ اَهْلِ الْأَرْضِ اَنْ يَّتَّقِيَ اللّٰهَ؟)) ''افسوس ہے تجھ پر، کیا میں روئے زمین میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے کا مستحق نہیں ہوں۔'' جب وہ شخص پیٹھ پھیر کر واپس ہوا تو سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا میں اس کی گردن نہ اڑا دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا، لَعَلَّهُ اَنْ يَكُوْنَ يُصَلِّيْ)) ''نہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ نماز پڑھتا ہو۔'' (صحيح البخاري، ح : ٤٣٥١)

☆ سیّدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خِيَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ ، وَشِرَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ .))

''تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، وہ تمہارے لیے دعا کریں اور تم ان کے لیے دعا کرو، اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں، تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا ہم انھیں اپنی تلواروں سے نہ ہٹا دیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا ، مَا اَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلٰوةَ .)) ''نہیں، جب تک وہ تمہارے درمیان نماز کو قائم رکھیں۔'' (صحیح مسلم، ح : ۱۸۵۵)

اسی سے ملتی جلتی ایک اور حدیث بھی ہے، ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يُسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ ، فَتَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ ، فَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ بَرِئَ ، وَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ ، وَلٰكِنْ مَنْ رَضِىَ وَتَابَعَ .))

''تم پر ایسے حکمران مقرر کیے جائیں گے کہ تم (ان کی طرف سے) اچھائیاں بھی دیکھو گے اور برائیاں بھی تو جس شخص نے ان کی بری باتوں کو ناپسند کیا وہ بری ہوگیا، اور جس نے انکار کیا وہ سلامت رہا، البتہ جس شخص نے ان کو پسند کیا اور اتباع کی (وہ سلامت نہیں رہے گا)۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا ، مَا صَلَّوْا)) ''نہیں، جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔'' (صحیح مسلم، ح : ۱۸۵٤)

(۴) نصرت الٰہی کا حصول: نماز کا چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے، یہ نصرت الٰہی کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ نمازی جب نماز میں کھڑا رحمت الٰہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ﴿ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ کہہ کر مدد طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے، اس کے رنج و الم دور کرتا ہے اور اسے مشکلات و مصائب سے نجات بخشتا ہے۔ اسی لیے اس نے ہمیں حکم دیا ہے:

☆ فرمایا:

﴿ وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ۟ۙ ﴾

(البقرۃ : ٤٥)

''صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو اور بلاشبہ وہ یقیناً بہت بڑی ہے سوائے عاجزی کرنے والوں کے۔''

☆ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ ﴾

(البقرۃ : ١٥٣)

''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

☆ حضرات انبیاء کرام کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب انہیں کوئی پریشانی اور مصیبت لاحق ہوتی تو وہ نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

① سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کو ساتھ لے کر ہجرت کی تو وہ ایک ایسی بستی میں پہنچے جس میں بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ یا ظالموں میں سے ایک ظالم رہتا تھا (اسے جب یہ پتا چلا کہ ایک مسافر ہماری بستی میں آیا ہے اور اس کے ساتھ ایک خوبصورت عورت ہے تو) اس نے ابراہیم کے پاس یہ حکم بھیجا کہ سارہ کو اس کے پاس بھیج دے، آپ نے سارہ کو بھیج دیا جب وہ (ظالم برے ارادے

سے) ان کی طرف بڑھا تو وہ (سارہ) اٹھیں، وضو کیا اور نماز شروع کردی اور یہ دعا کی:
((اَللّٰھُمَّ! إِنْ کُنْتُ آمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُوْلِكَ ، فَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ الْکَافِرَ .))
''اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان رکھتی ہوں، تو تو مجھ پر کافر کو مسلط نہ کرنا۔''
اور پھر ایسا ہی ہوا کہ وہ کم بخت اچانک خراٹے لینے لگا اور گر کر پاؤں ہلانے لگا۔

(صحیح البخاري، ح : ٦٩٥٠)

جب آپ خیر و عافیت کے ساتھ گھر واپس آئیں تو دیکھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، انہوں نے اشارہ سے پوچھا کہ کیا بنا؟ سیدہ سارہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کی سازش ناکام بنادی ہے اور خدمت کے لیے ہاجرہ دے دی ہے۔ (ایضاً : ٣٣٥٨)

② سیّدنا صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ لیتے تو منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتے جس کی ہم کو خبر نہ دیتے اور نہ ہم وہ سمجھ پاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے مجھ سے سننے کی کوشش کی؟'' ہم نے عرض کیا: جی ہاں، تب آپ نے فرمایا: ''میں نے انبیاء میں سے ایک نبی کو یاد کیا، اللہ نے اسے اس کی قوم میں لشکر دیا تھا۔ اس نبی نے ایک مرتبہ ان کو دیکھ کر فرمایا: کون ان کا مقابلہ کرسکتا ہے؟ اللہ نے اس نبی کی طرف وحی فرمائی کہ اب اپنی قوم کے لیے تین باتوں میں سے کوئی ایک پسند کرلو۔ یا تو ہم ان پر کسی اور قوم میں سے دشمن مسلط کردیں، یا بھوک، اور یا پھر موت۔ اس نبی نے اپنی قوم سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا: آپ اللہ کے نبی ہیں، آپ کو اختیار ہے، آپ جو مرضی ہمارے لیے پسند کرلیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فَقَامَ إِلٰی صَلَاتِہٖ)) ''وہ نبی نماز کے لیے کھڑا ہوا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَکَانُوْا یَفْزَعُوْنَ إِذَا فَزِعُوْا اِلَی الصَّلَاۃِ)) ''اور یہ لوگ جب بھی کسی گھبراہٹ کا شکار ہوتے تو نماز شروع کردیتے تھے۔ پس جتنی اللہ نے چاہا اس نے نماز پڑھی، پھر عرض کیا: اے رب! دشمن مسلط نہ کرنا اور نہ بھوک، ہاں موت مسلط فرمادے، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت مسلط فرمادی۔ چنانچہ تین دنوں میں ستر ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس لیے میں منہ ہی منہ میں یہ دعا کرتا ہوں جسے تم دیکھتے ہو: ((اَللّٰھُمَّ! یَا رَبِّ!

بِكَ أُقَاتِلُ ، وَبِكَ أُصَاوِلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" ''اے اللہ! اے میرے رب! تیری ہی توفیق سے جنگ کرتا ہوں اور تیری مدد ہی سے حملہ کرتا ہوں، نیکی کرنے کی طاقت اور برائی سے بچنے کی قوت تیری مدد ہی سے ہے۔''

(مسند أحمد : ٤/ ٣٣٣، ٦/ ١٦ وسنده صحیح)

③ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر والے دن ہم میں صرف مقداد رضی اللہ عنہ شہوار تھے اور میں نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا کہ (رات کو) وہ سب سوئے ہوئے تھے سوائے اللہ کے رسول ﷺ کے، آپ ایک درخت کے نیچے صبح تک نماز پڑھتے رہے اور گریہ زاری کرتے رہے۔ (مسند أحمد : ١/ ١٢٥ وسنده صحیح)

④ انبیاء کرام علیہم السلام کے متبعین کا بھی یہی طریقہ رہا ہے۔ جناب عبدالرحمٰن بن جوشن کا بیان ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سفر میں تھے کہ انہیں ان کے بھائی قثم کی وفات کی خبر ملی تو انہوں نے انـا للّٰه وانا اليه راجعون پڑھا، پھر راستے سے ایک طرف ہٹ کر دو رکعتیں ادا کیں جن میں تشہد کافی لمبا تھا پھر کھڑے ہوئے اور یہ پڑھتے ہوئے اپنی سواری کی طرف آئے:

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝﴾ (البقـرة : ٤٥)

(جامع البیان للطبري : ١/ ٤٠٣؛ تفسیر سعید بن منصور، ح : ٢٣١ وسنده صحیح)

(۵) گناہوں کی معافی: نماز کا پانچواں فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کے گناہ دھل جاتے ہیں، اور جس انسان کے گناہ دھل جائیں اور جنت مل جائے اسے اور کیا چاہیے؟

☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝﴾ (المائدة : ١٢)

''اگر تم نماز قائم کرو گے، زکوٰۃ ادا کرو گے، میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے، ان

کی مدد کرو گے اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہو گے تو میں ضرور ضرور تم سے تمہاری خطائیں مٹادوں گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخلہ دوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ پس جس نے تم میں سے اس (عہد و پیمان) کے بعد کفر کیا تو یقیناً وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔‘‘

☆ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ۚ﴾ (هود : ١١٤)

’’آپ دن کے دونوں کناروں اور رات گئے نماز قائم کریں، بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ یاد کرنے والوں کے لیے ایک یاد دہانی ہے۔‘‘

☆ جناب عمرو بن سعید بن عاص بیان کرتے ہیں کہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس تھا انہوں نے وضو کا پانی منگوایا، پھر کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

((مَا مِنِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلٰوةٌ مَكْتُوبَةٌ، فَيُحْسِنُ وُضُوئَهَا وَخُشُوعَهَا وَرُكُوعَهَا، إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنْ الذُّنُوبِ مَا لَمْ يُؤْتِ كَبِيرَةً، وَذٰلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهُ.))

’’کوئی مسلمان مرد ایسا نہیں کہ اسے فرض نماز (کا وقت) پالے، پھر وہ اس (نماز) کے لیے اچھا وضو کرے اور (نماز میں) اچھی طرح خشوع وخضوع اور رکوع کرے مگر وہ (نماز) اس کے پہلے گناہوں کے لیے کفارہ بن جائے گی جب تک وہ کوئی کبیرہ گناہ نہ کرے، اور یہ (اللہ کا معاملہ رحمت) ہمیشہ رہتا ہے۔‘‘(صحيح مسلم، ح : ٢٢٨)

☆ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگا: میں حد کو پہنچا ہوں، مجھ پر حد جاری کریں۔ راوی کہتا ہے کہ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا، اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے

فارغ ہوئے تو وہ پھر کھڑے ہو کر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بے شک میں حد کو پہنچا ہوں مجھ پر اللہ کا حکم نافذ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((هَلْ حَضَرْتَ مَعَنا الصَّلَاةَ؟)) ''کیا تو ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہوا ہے؟'' اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((قَدْ غُفِرَ لَكَ)) ''تجھے بخش دیا گیا ہے۔'' (صحيح مسلم، ح: ٢٧٦٤)

☆ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَرَأَيْتُمْ لَوْأَنَّ نَهَرًابِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا، مَا تَقُولُ ذَلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ؟))

''تمہارا کیا خیال ہے، اگر تم میں سے کسی ایک کے دروازے پر نہر جاری ہو اور وہ روزانہ اس میں پانچ دفعہ نہائے تو کیا اس کے بدن پر کچھ بھی میل باقی رہے گی؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: نہیں، میل باقی نہیں رہے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَذَلِكَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، يَمْحُو اللَّهُ بِهِ الْخَطَايَا .))

''یہی حال پانچ نمازوں کا ہے، اللہ ان کے ذریعے سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' (صحيح البخاري، ح: ٥٢٨)

☆ سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَتَمَّ الْوُضُوءَ كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، فَالصَّلَوَاتُ الْمَكْتُوبَاتُ كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ .))

''جو شخص پورا وضو کرے جس طرح کہ اللہ نے اسے (وضو کرنے کا) حکم دیا ہے تو اس کی فرض نمازیں ان گناہوں کے لیے کفارہ ہوں گی جو ان (نمازوں) کے درمیان میں ہوں گے۔'' (صحيح مسلم، ح: ٢٣١)

☆ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهُ مَدَى صَوْتِهِ، وَيَشْهَدُ لَهُ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ، وَشَاهِدُ الصَّلَاةِ يُكْتَبُ لَهُ خَمْسٌ وَعِشْرُونَ صَلَاةً، وَيُكَفَّرُ عَنْهُ

مَا بَيْنَهُمَا .))

''مؤذن کے لیے جہاں تک اس کی آواز جاتی ہے مغفرت کردی جاتی ہے، اس کے لیے ہر خشک اور تر چیز گواہی دے گی، اور نماز میں حاضر ہونے والے کے لیے پچیس نمازوں کا ثواب لکھا جاتا ہے، اور اس سے دو نمازوں کے درمیان گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔'' (سنن أبي داوٗد، ح : ٥١٥ ، سنن النسائي ، ح : ٦٤٥ ، سنن ابن ماجه ، ح : ٧٢٤ وإسناده حسن)

☆ جناب عبداللہ صنابحی بیان کرتے ہیں کہ ابومحمد نے کہا: وتر واجب ہے۔ یہ بات سیّدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے کہا: ''ابومحمد نے جھوٹ بولا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالَى ، مَنْ أَحْسَنَ وُضُوئَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ ، وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ ، كَانَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ ، وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ ، إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ ، وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ .))

'''اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جس شخص نے ان (نمازوں) کے لیے اچھی طرح وضو کیا اور ان کو وقت پر ادا کیا، اور ان کے رکوع اور خشوع کو پورا کیا، تو اس نمازی کے لیے اللہ کا عہد ہے کہ اسے وہ معاف کردے گا، لیکن جس نے ایسا نہ کیا اس کے لیے اللہ کا کوئی عہد نہیں، اگر چاہے تو اسے معاف کردے اور اگر چاہے تو اسے عذاب کرے۔'' (سنن أبي داوٗد، ح : ٤٢٥ ۔ سنن النسائي، ح : ٤٦١ ۔ سنن ابن ماجه، ح : ١٤٠١ ، قال الألباني: صحيح)

معلوم ہوا کہ نماز گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں پکا نمازی بنائے، اور ہمیں نماز کے فوائد کا مستحق بنائے۔ آمین

☆......☆......☆